حوادث طبعی

یا

عذاب الٰہی

از

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

تعارف

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے قریباً ۶ سال قبل ایک مضمون سپرد قلم فرمایا جس کا عنوان تھا "حوادث طبعی یا عذاب الٰہی"۔

یہ مضمون رسالہ الفرقان اکتوبر ۱۹۷۶ء نومبر' دسمبر ۱۹۷۶ء اپریل ۱۹۷۷ء اور مئی ۱۹۷۷ء میں بالترتیب چار اقساط میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ دنیا میں جو حوادث اور عذاب ظاہر ہوتے ہیں ان کا تعلق خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے انکار اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے ہے یا نہیں۔

علاوہ ازیں حضور نے اس مضمون میں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہر ہونے والے ایک مرض طاعون کا تفصیلاً ذکر فرمایا جس کے ظاہر ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو قبل از وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی۔ اور جسے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی سچائی کے لئے بطور نشان پیش فرمایا۔ اس مضمون کے آخر میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ بھی تجویز فرمایا کہ طاعون کا نشان آئندہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"بعید نہیں کہ آئندہ چند سال میں یہ (طاعون۔ ناقل) ظاہر ہو جائے اور ۲۰۰۰ء تک ایک ہولناک عالمگیر وبا کی شکل اختیار کر جائے

جائے۔ اگر ایسا ہو تو جماعت احمدیہ کے لئے اس میں تنبیہ بھی ہے اور بشارت بھی۔ تنبیہ یہ ہے کہ صرف احمدیت کا عنوان طاعون سے بچانے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ تقویٰ کی شرط بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔"

چونکہ آج کل ہندوستان میں طاعون کے ظاہر ہونے کی خبریں کثرت کے ساتھ سنی جارہی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو افادہ عام کے لئے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مضمون کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس کے نتیجہ میں ہم اپنی زندگیوں میں پاک تبدیلی پیدا کرنے والے ہوں۔ آمین

حوادث زمانہ یا عذاب الٰہی

یہ سوال بڑی دیر سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے انسانی ذہن کو الجھائے ہوئے ہے کہ حادثات طبعی کا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں دو نظریات ایک دوسرے کے مقابل پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایک نظریہ اس امر پر مشتمل ہے کہ دنیا میں جتنے بھی حادثات واقع ہوتے ہیں یا آفات رونما ہوتی ہیں۔ یہ سب قوانین طبعی کے ماتحت خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان کے اعمال' اس کی نیکی بدی یا رسولوں کے انکار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسری طرف قدیم سے تمام قطعہ ارض پر بسنے والے اہل مذاہب کسی نہ کسی رنگ میں یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ عذاب اور آفات جب بھی غیر معمولی نوعیت اختیار کر جائیں تو قوانین طبعی کے دائرے سے نکل کر قوانین غیر طبعی کے حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان سب مذاہب میں خدائے واحد و یگانہ کا وہ تصور تو نہیں ملتا جو اسلام نے پیش کیا ہے لیکن اپنے اپنے رنگ میں اس بات پر سب کا اتفاق نظر آتا ہے کہ یہ عذاب اور آفات کسی باشعور ہستی کے فیصلے کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا نام سورج دیوتا بیان کیا جائے۔ یا بادلوں کا خدا یا پہاڑوں کی روح یا سمندروں کی دیوی' وہ تمام مذاہب بھی جو خدا تعالیٰ کی مختلف صفات میں بعض خیالی خداؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ غیر معمولی آفات سماوی و ارضی کو غیر طبعی قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ وہ مذاہب جن میں توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ آج تک محفوظ چلا

آرہا ہے ان میں بھی اگرچہ نظریہ توحید کی تفاصیل میں کچھ نہ کچھ فرق ملتا ہے لیکن اس بات پر وہ بھی متفق ہیں کہ آفات سماوی یا حادثات طبعی ایک واحد خدا کی ناراضگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ ان مذاہب میں سرفہرست اسلام ہے اس کے بعد یہودیت اور پھر عیسائیت جو بیک وقت توحید کی بھی دعویدار ہے اور تثلیث کی بھی۔

یہ ایک دلچسپ معمہ ہے اور آج کی دنیا میں جبکہ انسان طبیعات کے بہت سے گہرے اسرار کا واقف ہو چکا ہے ان تمام مصائب یا حوادث کے تہ بہ تہ عوامل اور محرکات کی گہری تحقیق کرکے بہت سے سربستہ رازوں پر سے پردہ اٹھا چکا ہے' یہ سوال مادہ پرست انسان کے لئے بھی اور اہل مذاہب کے لئے بھی دوہری اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اہل مذاہب کے بارے میں یہ کہنا یقیناً درست ہوگا کہ آج یہ سوال پہلے سے کئی گنا بڑھ کر اہم اور قابل توجہ بن چکا ہے کیونکہ پہلے دنیا جس خیال کو ظاہری مشاہدات کی بناء پر مانتے چلے آرہے تھے۔ آج ان کے ہاتھ میں میں صرف ظاہری مشاہدہ کا ہتھیار ہی نہیں بلکہ عالم طبعی کی تہہ بہ تہہ جستجو کے نتیجہ میں جو حقائق وہ دریافت کر چکے ہیں وہ سب اس طرف اشارہ کرتے نظر آتے ہیں کہ تمام امور قوانین طبعی کا طبعی نتیجہ میں اور کسی مافوق البشر ہستی کی دخل اندازی سے ان کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اہل مذاہب اس کے برعکس ابھی تک اسی مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں جس پر وہ پہلے تھے۔ اور کوئی ایسی نئی تحقیق مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے پیش نہیں کی گئی جو اس موقف کی مزید تائید یا تصدیق کر سکے۔ کہ حوادث زمانہ کا کوئی تعلق کسی مافوق البشر ہستی سے ہے۔

جماعت احمدیہ چونکہ از سرنو بڑے زوردار اصرار کے ساتھ اس نظریئے کو دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے کہ حوادث اور مصائب کی صورت میں جو مظاہر

طبعی ہمیں نظر آتے ہیں ان کا تعلق یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ بھی ہے۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ جماعت سے وابستہ محققین اور مبصرین اس مسئلہ کے ہر پہلو کی چھان بین کرکے صرف اس امر کی وضاحت کریں کہ جماعت احمدیہ کے اس نظریہ کا حقیقی مفہوم کیا ہے بلکہ اس نظریہ کی تائید اور تصدیق میں ایسے دلائل بھی پیش کریں جو نئے علوم کی روشنی میں بنائی ہوئی عقل کو مطمئن کرسکیں۔ آج دنیا کا جو انسان ہمارا مخاطب ہے وہ ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار سال کے انسان کی نسبت مادی علم کے میدان میں اتنا آگے نکل چکا ہے کہ محض دعاوی کی تکرار سے اور کسی نظریہ کو بلند آواز سے بیان کرنے کے نتیجہ میں ہرگز تسلی نہیں پا سکتا۔ پس مذہب اور لادینیت کی جنگ میں ایک یہ بھی میدان ہے جو ابھی سر کرنے والا ہے۔ اس وقت تک تو اس معرکے کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے وہ مذاہب کی شکست اور لامذہبیت کی فتح دکھائی دیتا ہے۔ یہ فتح اس حد تک نمایاں نظر آتی ہے کہ اہل اسلام کا بھی ایک بڑا طبقہ مادی نظریہ طبیعات سے متاثر ہو کر مافوق البشر مداخلت کے عقیدہ سے منحرف ہو چکا ہے۔ اگرچہ غیر معمولی مصائب کے وقت عامۃ الناس کبھی کبھی تو یہ زبان سے پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تو عذاب اور چند دن کے لئے جب تک مصیبت ان کو گھیرے رکھے۔ اذانیں دے کر یا استغفار کرکے یا دعائیں مانگ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع بھی کرتے ہیں لیکن عملاً ان مظاہر قدرت کو عذاب قرار دینے کے باوجود ان کی زندگی میں کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ایک عارضی اور فانی خیال کی طرح دل و دماغ سے ایک مسافر کی طرح گزر جاتی ہے۔ مزید برآں عمومی رنگ میں حوادث کو عذاب الٰہی قرار دینے کے باوجود وہ قرآن کریم کے اس دعویٰ کی طرف پھر بھی توجہ نہیں کرتے کہ ان عذابوں کا تعلق محض بداعمالیوں سے ہی

نہیں بلکہ رسولوں کے انکار سے بھی ہے۔ بلکہ اس حد تک ہے کہ بداعمالیوں کی سزا کے نتیجہ میں بھی یہ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی تنبیہ کرنے والا پیغمبر ان میں نہ بھیج دے اور بروقت متنبہ کرکے دنیا کو نیکیوں کی طرف بلانے کی کوشش نہ کرے۔

جماعت احمدیہ جو اس نظریئے کی بھی بڑے وثوق سے قائل ہے۔ روزمرہ اس سلسلہ میں تلخ تجربات کا سامنا کرتی رہتی ہے اور آئے دن احمدیوں کو ایسے دوستوں سے تبادلہ خیالیات کا موقعہ ملتا رہتا ہے جو غیر معمولی آفات کو عذاب الٰہی ماننے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے کہ ان عذابوں کے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ یہی نہیں بلکہ احمدیوں کو اس سلسلہ میں بعض اوقات سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ ہر مصیبت جو دنیا پر نازل ہوتی ہے تم اسے مرزا غلام احمد کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کر دیتے ہو۔ یہ کیا تمسخر ہے؟ چلی میں زلزلہ آئے یا چین کی سرزمین لرزش کھا رہی ہو۔ ترکی' اٹلی یا ایران کی عمارتیں تہہ و بالا ہو رہی ہوں یا ہزارہ اور مردان کی سرزمین قیامت کا نمونہ دیکھے۔ بارشیں آئیں' خشک سالی ہو آندھیاں چلیں یا ہوائیں بند ہو جائیں۔ غرضیکہ حوادث قدرت کوئی بھی کروٹ لیں تم لوگ بلا سوچے سمجھے ہر طبعی واقعہ کو مرزا صاحب کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگ جاتے ہو۔ ذرا سوچو کہ یہ کیسا غیر معقول اور مضحکہ خیز طریق ہے۔ جس سے آج کی دنیا میں کوئی بھی متاثر ہونے کے لئے تیار نہیں۔ یہ باتیں سن کر بعض احمدی تو اظہار حسرت کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتے' بعض خود اس معاملہ میں متفکر اور متردد ہو جاتے ہیں کہ کہیں واقعۃً یہ محض ہمارا خیال ہی تو نہیں۔ جب سے دنیا

بنی ہے آفات اور مصائب سے اہل دنیا کا واسطہ پڑتا ہی چلا آرہا ہے پھر ہم کیسے ان طبعی واقعات کو صداقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ سوچ کا سلسلہ کسی منزل پر رک نہیں سکتا بلکہ اس خیال کے آتے ہی معاً تصور کی دوسری چھلانگ اس جانب لپکتی ہے کہ قرآن کریم میں کیوں حوادث طبعی کو بڑے اصرار اور تکرار کے ساتھ انبیاء کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور کیوں قرآن بکثرت اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ خدا کے کسی مرسل کے انکار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کیا اور صرف وہی باقی رکھے گئے جو ایمان لانے والے تھے؟ پھر کیوں قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی تائید میں بھی بار بار یہی دلیل پیش کرتا ہے کہ اور انسانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ اگر رسولوں کے سردار ؐ کا انکار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جو سلوک کمتر درجہ کے انبیاء کے منکرین کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین سے بھی کیا جائے گا۔ اور خدا کا یہی سلوک اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ رسول اپنے تمام دعاوی میں سچا تھا۔ پس اس منزل پر تصور کی چھلانگ مسئلے کو احمدیت کے دائرے سے نکال کر وسیع تر اور بلند تر اصولی سوال تک پہنچا دیتی ہے۔ کہ فی ذاتہ اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ کیا کسی بھی مذہب کے لئے اصولاً یہ جائز ہے کہ حوادث زمانہ کو عذاب الٰہی قرار دے یا خدا تعالیٰ کے کسی مرسل کے انکار کا نتیجہ بیان کرے؟

اس تمہیدی بیان کے بعد جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جس حد تک ممکن ہو اس کے مختلف پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالوں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو اس بارہ میں مزید فکر و تدبر کی دعوت دوں۔

احمدیت کا نظریہ

احمدی اپنے نظریہ کی بنیاد کلیتہ قرآن کریم پر رکھتے ہیں۔ اور نظریہ کے ہر پہلو کا استنباط بھی قرآن کریم سے ہی کرتے ہیں۔ اس لئے جب میں احمدی نظریہ کہتا ہوں تو مراد یہ ہے وہ نظریہ جو جماعت احمدیہ کے نزدیک فی الحقیقت اسلامی نظریہ ہے۔ خواہ اسلام کے دوسرے فرقے اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ بہرحال احمدی نظریہ کے حسب ذیل پہلو خاص طور پر ذہن نشین ہونے چاہئیں ورنہ مادہ پرستوں کے ساتھ تبادلہ خیالات میں کئی پہلوؤں سے معاملہ الجھ سکتا ہے اور ایک احمدی کے لئے مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

(ا) احمدی ہرگز اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث' مصائب اور زلازل کی طبعی وجوہات موجود ہیں اور یہ تمام امور قانون طبعی کے تابع رونما ہوتے ہیں۔ احمدیوں کے نزدیک مذہب کا خدا بھی وہی خدا ہے جو مادی عالم کا خدا ہے اور جن کو ہم قوانین طبعی قرار دیتے ہیں۔ وہ قوانین طبعی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نتیجہ میں اور اس کے مقرر کردہ ضابطوں کے ماتحت کام کر رہے ہیں اگرچہ انسان نے تحقیق و جستجو کے بعد اور سلسلہ میں بہت کچھ دریافت کیا ہے لیکن قوانین طبعی کی جستجو کرنے والے مفکرین اور محققین بلا استثناء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جستجو کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور اسباب کی کڑیوں میں سے جس قدر بھی ہم دریافت کرتے چلے جائیں کسی کڑی کو بھی پہلی کڑی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ ہر سبب بذات خود ایک مسبب کا متقاضی ہے جس کا آگے کوئی سبب ہونا چاہئے۔ جب اس سبب کو تلاش کیا جائے تو اس کا آگے کوئی سبب ڈھونڈنا پڑتا ہے جب اس کو تلاش کر لیا جائے تو اگلے سبب کی طرف راہنمائی کرتا ہوا ایک دروازہ دکھائی دیتا ہے کہ اس کو بھی کھولو اور اس سے اگلے سبب کو تلاش کرو۔ غرضیکہ اسباب کا یہ سلسلہ جہاں

تک انسانی عقل کی دسترس کا تعلق ہے لامتناہی ہے۔ پھر کون جانے کہ اصل سبب کون تھا یا کیا ہے۔ اور کہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ختم ہو گا؟ قرآن کریم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا سبب اول بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور آخری نتیجہ بھی اسی کی ذات کی طرف لے جانے والا ہے وہ اول بھی ہے اور آخر بھی ہر چیز کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور ہر چیز کا مرجع بھی وہی۔ ہم مسلمان جو روزمرہ گفتگو میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا ورد کرتے ہیں درحقیقت اس میں اسی بنیادی نظریہ کا اقرار اور اعادہ کیا جاتا ہے۔ پس جماعت احمدیہ قوانین طبعی کو قوانین مذہب سے علیحدہ کوئی خود مختار متوازی نظام تصور نہیں کرتی اس لئے یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ بلاشبہ تمام مادی تغیرات قوانین طبعی کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرتی ہے اور ان دونوں اعتقادات میں کوئی تضاد نہیں پاتی کہ تمام قوانین طبعی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مقرر کردہ قوانین کے تابع کام کرتے ہیں اور وہ تمام قوت جو طبعی تبدل و تغیر کے وقت استعمال ہوتی یا خارج ہوتی ہے اس کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

(۲) جماعت احمدیہ یہ اعتقاد رکھنے کے باوجود کہ غیر معمولی حوادث اور مصائب اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے تعلق رکھتے ہیں ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ ہر قدرتی حادثہ اور ہر تغیر اور ہر تبدیلی عذاب الٰہی کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔ عموماً ایک دنیادار مادہ پرست مذہبی نظریہ کو صحیح رنگ میں نہ سمجھنے کے نتیجہ میں معرض بن جاتا ہے اور کسی حد تک اس کے اعتراضات درست بھی ہوتے ہیں اگر انسان اپنی طرف سے کوئی نظریہ بنا کر مذہب کے سر تھوپ دے تو لازماً اس میں تضادات اور نقائص پائے جائیں گے۔ نتیجتہ غیر مذہبی طاقتوں کو موقعہ میسر آجائے گا کہ اس نظریئے کی خامیاں ظاہر کر کے یہ ثابت

کریں کہ جس مذہب نے یہ غلط نظریہ پیش کیا ہے وہ مذہب ہی جھوٹا اور ناقابل اعتماد ہے اور انسانی عقل اس کی راہنمائی کو قبول نہیں کر سکتی۔ یہی مصیبت تھی جس کا احیائے علوم کے زمانہ میں عیسائیت کو سامنا کرنا پڑا اور عیسائی پادری اپنے مذہب کی طرف ایسے خود ساختہ نظریات منسوب کر رہے تھے جن کا الہام الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یا تو وہ بگڑی ہوئی بائیبل کے فرضی قصے تھے یا آیات تورات کی غلط تشریحات پر مبنی مفروضے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے خصوصاً اہل یورپ نے جب قوانین قدرت کی چھان بین کی اور بہت سے انکشافات کو واضح طور پر عیسائی نظریات کے مخالف پایا تو عیسائیت کو ایک فرسودہ اور جھوٹا مذہب سمجھ کر ترک کرنا شروع کر دیا پھر یا تو کھلم کھلا انہوں نے عیسائیت سے بغاوت کی یا پھر عملاً اس طرح اس سے منحرف ہو گئے کہ گو زبان نے تو انکار نہ کیا لیکن اعمال نے اس کا جوا اتار پھینکا اور ایک آزاد مادی اور مادہ پرست یورپین سوسائٹی رونما ہوئی۔ جو عیسائیت کی قید سے ہر عملی پہلو میں آزاد تھی۔ پس مسلمانوں کو اس المیہ سے یہ سبق سیکھنا چاہئے اور خصوصاً احمدیوں کو کہ وہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے کوشاں ہیں۔ غیر معمولی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اور کسی نظریہ کو مذہب کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے جس کا مذہب دعویدار نہ ہو۔

جہاں تک قرآن کریم' احادیث نبویہ' اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں بھی اسلام کا یہ دعویٰ نظر نہیں آتا کہ ہر طبعی حادثہ اور تغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں یہ دعویٰ ضرور ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بسا اوقات مادی اور طبعی قوانین کو ان مادی طاقتوں کی ہلاکت پر مامور کر دیا جو روحانی اور مذہبی اقدار کی نہ صرف منکر تھیں بلکہ مادی ذرائع کو استعمال کرکے روحانی اور مذہبی اقدار کو مٹانے کے

درپے تھیں۔ پس جب بھی یہ صورت ظاہر ہو کہ مادی نظریات روحانی نظریات سے ٹکرا جائیں اور مادی طاقت مذہبی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور سرکشی میں بڑھتی چلی جائے۔ تو ایسی صورت میں قرآنی نظریہ کے مطابق قوانین طبعی کو ہی ایسی مادی طاقتوں کو مٹانے یا مغلوب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گویا لوہا لوہے کو کاٹتا ہے یا انگریزی محاورے کے مطابق To set a thief to catch a thief کا منظر نظر آتا ہے یعنی وہ لوگ جو کسی مافوق البشر طاقت کے منکر اور صرف موجود مادی دنیا کے ہی قائل ہوتے ہیں انہی کی مسلمہ موجود مادی دنیا کو ان کی ہلاکت اور تباہی پر مامور کر دیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کو مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام دیا جاتا ہے اور اس نظریئے سے کوئی ٹکراؤ یا مقابلہ نہیں کہ ایسے واقعات اپنے پس منظر میں طبعی عوامل رکھتے ہیں۔ مثلاً فرعون کی غرقابی کے واقعہ کو ہی لے لیجئے۔ نیل کے ڈیلٹا میں فرعون اپنے قافلے سمیت غرق ہوا۔ روزانہ دو مرتبہ جوار بھاٹا آیا ہی کرتے تھے۔ اب ان گنت سالوں سے یعنی جب سے کہ دریائے نیل وجود میں آیا۔ اس کا پانی سمندر میں داخل ہوتے وقت روزانہ اسی اتار چڑھاؤ کا منظر پیش کرتا رہا۔ خدا جانے کتنے جانور یا ابتدائی انسان یا ابتدائی ہیت کے انسان یا بعد کے غیر مہذب خانہ بدوش قبائل' غلط اندازوں یا کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے اس جوار بھاٹا کی نذر ہو گئے۔ لیکن نہ تو قرآن مجید نے' نہ کسی اور مذہبی صحیفہ نے اس جوار بھاٹا کے نتیجہ میں مرنے والوں کو عذاب الٰہی کا مورد قرار دیا۔ پس قانون قدرت بلاشبہ اپنی روش پر جاری و ساری ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ہر مہلک تغیر کو نہ عذاب الٰہی قرار دیا جا سکتا ہے نہ اسلام اس کا دعویدار ہے۔ ہاں بعض صورتوں میں جن کا قدرے تفصیلی ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔ یہی مظاہر قدرت مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام پا لیتے

ہیں اور اپنے ساتھ ایسے شواہد رکھتے ہیں اور ایسے قوی دلائل ان کی تائید میں کھڑے ہوتے ہیں کہ ایک مادہ پرست بھی اگر انصاف سے کام لے تو خود اپنے عقلی معیار کے مطابق بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ کہ اس معین واقعہ کے وقت جسے مذہب عذاب قرار دیتا ہے ایسے غیر معمولی عوامل ضرور موجود تھے جو بظاہر روزمرہ کے واقعہ کو ایک امتیازی اور استثنائی حیثیت دیتے ہیں۔ ابھی ہم نے فرعون کے غرق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اسی مثال پر اب ذرا مزید غور فرمائیں۔ میرا مدعا خوب واضح ہو جائے گا۔

ایک خاص دلچسپی کی بات جو قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتی ہے اور قرآن کریم کے سوا کہیں نہیں ملتی۔ وہ یہ ہے کہ غرق ہوتے وقت فرعون نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں تو مجھے بچا لے! تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا :۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ ایتہ ..... (سورۃ یونس آیت ۹۳)

(ترجمہ) پس اب ہم تیرے بدن (کے بقاء) کے ذریعے سے تجھے (ایک جزوی) نجات دیتے ہیں تاکہ جو لوگ تیرے پیچھے آنے والے ہیں ان کے لئے تو ایک نشان ہو۔

اس بیان کی یہ حیثیت تو صرف دعویٰ کی ہے جو ایک غرق ہوتے ہوئے انسان اور خدا کے درمیان ایک مکالمے کو پیش کر رہا ہے بظاہر اس کی چھان بین اور صداقت کے جائزہ لینے کا کوئی ذریعہ نہ تو آج انسان کے پاس ہے نہ اس وقت کے انسان کے پاس تھا کیونکہ ایک مرتے ہوئے انسان اور خدا کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان کو ان دونوں کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

جب ہم اس مکالمہ پر غور کرتے ہیں جو ایک دہریہ کے لئے یا مادہ پرست

کے لئے مبینہ طور پر خدا تعالیٰ فرعون کے مابین ہوا تو قرآن کا دوسرا دعویٰ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ فرعون کا غرق ہونا کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ مشیت الٰہی کے مطابق موسیٰؑ کے انکار اور مخالفت اور بغاوت کی سزا کے طور پر پیش آیا۔ یہاں تک کہ آخری وقت میں خود غرق ہونے والے نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور مرنے سے پہلے اس خدا کی طرف رجوع کیا جسے وہ بنو اسرائیل کا خدا قرار دیتا ہے۔ فرعون کا یہ کہنا کہ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (سورہ یونس آیت ۹۱) (ترجمہ) "میں ایمان لاتا ہوں کہ جس مقتدر ہستی پر بنو اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور سچی فرمانبرداری اختیار کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں" اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ دعا کے وقت اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دینا چاہتا تھا کہ جس خدا سے وہ مانگ رہا ہے وہ کونسا خدا ہے۔ چنانچہ بڑی وضاحت سے وہ یہ اظہار کرتا ہے کہ وہ اس خدا سے نجات مانگ رہا ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈوبتے وقت ایسا خوف و ہراس اس پر طاری تھا کہ وہ غیر مبہم الفاظ میں اپنی مکمل شکست کو تسلیم کرنے پر تیار ہو چکا تھا اور اس شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دینا چاہتا تھا کہ اس میں انانیت کی رگ باقی ہے۔ چنانچہ کھلم کھلا شکست تسلیم کرکے اس رب سے مانگتا ہے جس کی بنو اسرائیل عبادت کرتے تھے۔

بہرحال یہ بات قطعی ہے کہ قرآن کریم کے پیش کردہ اس مکالمہ کے مطابق خود فرعون کو بھی مسلم تھا کہ یہ حادثہ نہیں عذاب الٰہی ہے اور فرعون کی اس التجا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے جو جواب دیا وہ ہمارے نقطہ نگاہ سے یعنی اس مسئلہ کے لحاظ سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ

جواب محض ایک دعویٰ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ دعویٰ کی صداقت کی تائید میں ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔ جو اس مکالمہ کے ایک ایک نقطہ کی صداقت پر گواہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس واقعہ کو جو ہر چند طبعی قوانین کے تابع ظاہر ہوا تھا۔ ایسے لکھو کھا واقعات سے الگ اور ممتاز کر کے پیش کرتا ہے وہ جواب یہ تھا (اور یہاں ہم ترجمہ کی بجائے تفسیری مفہوم پیش کریں گے) کہ چونکہ تو اپنی روح کی نجات کی خاطر ایمان نہیں لا رہا اور تمام نشانات کو رد کر چکا ہے اور سب مواقع کھو چکا ہے جن سے استفادہ کی صورت میں تیری روح کو نجات مل سکتی تھی۔ اس لئے آج تیری روح کو نجات دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں تجھے اپنے بدن کو بچانے کا خوف لاحق ہے اس لئے ہم تیری اس التجا کو اس رنگ میں قبول کریں گے کہ تیرے بدن کو بچالیں گے اور تیری لاش کو محفوظ کرنے کا انتظام کریں گے تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے تو ہمیشہ عبرت کا سامان مہیا کرتا رہے اور تیرا بدن دوسروں کی نجات کا موجب ہو سکے۔ یہ نہایت لطیف جواب محض دعویٰ نہیں اپنی صداقت کا ثبوت خود اپنے ساتھ رکھتا ہے جس وقت قرآن کریم کے اس مکالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو مطلع فرمایا اس وقت تک فرعون کے متعلق یہ نظریہ تو موجود تھا کہ وہ دریائے نیل کے ڈیلٹا میں غرق ہو گیا لیکن اس کے بدن کی حفاظت اور آئندہ آنے والوں نسلوں کی عبرت کا سامان بننے کا کوئی تصور نہ تو کسی مذہبی صحیفہ میں موجود تھا نہ تاریخی کتاب میں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کروایا کہ ہم نے فرعون سے اس کی لاش کے بچانے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ اس رنگ میں محفوظ کی جائے گی کہ بنی نوع کے لئے عبرت کا سامان مہیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ایک ایسا دعویٰ تھا جو اگر سچا تھا تو

دعویٰ کرنے پر کسی انسان کو قدرت نہ ہو سکتی تھی جب تک خود اللہ تعالیٰ اس کی خبر نہ دے۔ اس زمانے میں بھی فرعون کی لاش کا کوئی پتہ نہ تھا۔ اور اگر اس دعویٰ کو انسان کا خود ساختہ دعویٰ قرار دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا دعویٰ کرنے والا خود اپنی تکذیب کے سامان فراہم کر رہا ہے جو سراسر عقل کے خلاف بات ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپؐ کے صحابہؓ سے اس آیت کے نزول کے بارہ میں سوال کیا جاتا کہ فرعون کی لاش محفوظ کرنے کی خبر اگر خدا نے دی ہے تو وہ لاش کہاں ہے؟ کس طرح محفوظ ہوئی اور کیسے عبرت کا سامان بنی؟ تو کوئی صحابی اس کا جواب دینے پر قادر نہ ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی راہنمائی فرماتا۔ اگر بعد کی نسلوں سے یہی سوال دوہرایا جاتا۔ تو سائل ہمیشہ اپنے مخاطب کو گنگ اور لاجواب پاتا۔ نہ تو پہلی صدی کے مسلمان مخاطب اس کا جواب دے سکتے تھے نہ دوسری صدی کے مسلمان مخاطب' تیسری صدی کے مسلمان بھی اس کے جواب سے لاعلم تھے۔ چوتھی صدی کے بھی اور پانچویں اور چھٹی صدی کے بھی یہاں تک کہ چودھویں صدی میں وہ چاند طلوع ہوا جس کے عہد میں اسلام کو غلبہ نو کے سامان فراہم کئے جانے تھے۔ اس وقت کسی مسلمان محقق نے نہیں بلکہ خود عیسائی محققین نے اس فرعون کی لاش کو محفوظ صورت میں دریافت کر لیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے غرقابی کی سزا پائی تھی اور آج یہ لاش قرآن کریم کی صداقت پر گواہی دیتی ہوئی اہل بصیرت کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر رہی ہے اور ساتھ ہی قرآن کریم کے پیش کردہ تمام مکالمہ کی صداقت کا اعلان کر رہی ے۔ جو قرآن کریم نے فرعون کے آخری لمحات کا نقشہ کھینچنے کے لئے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ فرعون کا غرق ہونا نیل کے ڈیلٹا میں غرق ہونے

والے لکھو کھا انسانوں سے مختلف حیثیت رکھتا تھا۔ اس ایک واقعہ کو ہم عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ایسے ہی دوسرے لاکھوں واقعات محض حادثات کا نام پاتے ہیں۔

(۳) مادی تغیرات اور طبعی قوانین کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں جب عذاب کا نام پاتی ہیں تو ان کے ساتھ کچھ علامتیں اور کچھ شرائط پائی جاتی ہیں اور یونہی بلاوجہ کسی تبدل و تغیر کو عذاب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

(۴) ایسے تمام حوادث زمانہ جو مذہبی اصطلاح میں عذاب کا نام پاتے ہیں ان کے نتیجہ میں بعض اہم مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ چل کر کیا جائے گا۔ اس کے برعکس روزمرہ کے حوادث اگرچہ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور پیدا کرتے ہیں۔ لیکن جن مذہبی مقاصد سے عذاب کا تعلق ہوتا ہے عام حوادث کے نتیجے میں وہ رونما نہیں ہوتے۔

(۵) قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ قوانین طبعی کے نتیجہ میں جس قسم کے تغیرات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک تغیر کو عذاب الٰہی کا ذریعہ بنایا گیا اور آئندہ بھی بنایا جا سکتا ہے اسی طرح انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے نتیجہ میں یا دیگر عوامل کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی جنگوں اور فتنہ و فساد کو بھی بعض مخصوص حالات میں عذاب الٰہی کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جماعت احمدیہ عذاب الٰہی کا جو اسلامی فلسفہ پیش کرتی ہے اس کا مادہ پرستوں کے نظریہ سے بالواسطہ کوئی ٹکراؤ نہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ دنیادار مادہ پرست حوادث زمانہ کو طبعی محرکات اور موجبات کا نتیجہ قرار دینے پر ہی اکتفا کرتا ہے جبکہ اسلام اس حد تک اس مادی فلسفہ کی تائید کرنے کے علاوہ یہ زائد بات بیان کرتا ہے۔

اگرچہ تمام حوادث کی کوئی طبعی وجہ موجود ہے اور خدا تعالیٰ کی منظم تخلیق اور کامل نظام خلق کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن بات یہی ختم نہیں ہو جاتی بسا اوقات اللہ تعالیٰ بلند تر مذہبی مقاصد کے حصول کے لئے انہی طبعی ذرائع کو استعمال کرتا ہے ہم خود اس کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کے تابع ہیں۔ جب ایسا ہو اور حوادث زمانہ کو سزا یا تنبیہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس وقت یہی طبعی قوانین جو نتیجہ ظاہر کرتے ہیں اس کا نام عذاب الٰہی رکھا جاتا ہے اس کے برعکس قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبعی قوانین کو جیسا کہ بعض اوقات رضائے الٰہی کے خاص اظہار کے لئے ہی مسخر کیا جاتا ہے اور جب بھی ایسا ہو طبعی تغیرات کے نتیجہ میں کسی قوم یا اشخاص کے لئے غیر معمولی فضل اور رحمت کے سامان پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو جہاں عذاب الٰہی سے ڈرایا وہاں ایمان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں اور رحمتوں کا وارث بننے کا وعدہ بھی دیا اور اس بات کی ترغیب دی کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے قوانین طبعی کو اپنا دشمن بناؤ اور اس کو راضی کر کے قوانین طبعی کو اپنا غلام اور خدمت گار بناؤ۔ سورہ نوح میں اس مضمون کو نہایت لطیف رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سے اسلامی فلسفہ عذاب و ثواب بڑی آسانی سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس امر سے تو ہماری دنیا بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے لئے قوم پر بکثرت بارش کے ذریعہ عذاب بنایا گیا لیکن عام طور پر اس حقیقت سے لوگ بے خبر ہیں کہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہی بارش رحمت الٰہی کا مظہر بھی بن سکتی تھی۔ ایک امر تو بہرحال مقدر ہو چکا تھا کہ طبعی قوانین کے نتیجہ میں اس علاقہ میں جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی۔ بکثرت بارشیں برسنے والی تھیں۔ اس امر کا فیصلہ کہ یہ بارش رحمت کی ہو یا عذاب کی، قوم نوحؑ پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت نوحؑ کہتے ہیں :۔

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○ وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ○

(سورۃ نوح۔ آیت ۱۱ تا ۱۳)

(ترجمہ) میں نے ان سے کہا اپنے رب سے استغفار کرو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ اگر تم توبہ کرو گے تو برسنے والے بادل کو تمہاری طرف بھیجے گا اور مالوں اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا۔ اور تمہارے لئے باغات اگائے گا اور تمہارے لئے دریا چلائے گا۔

اب دیکھئے کتنا پر لطف مضمون ہے اور عقل انسانی کے لئے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔ وہی بارش جس کے سامان طبعی قوانین کے نتیجہ میں نامعلوم طویل مدت پہلے سے تیار ہو رہے تھے۔ وہی بارش عذاب بن کر بھی آسکتی تھی اور انعام بن کر بھی۔ اگر انعام بن کر آتی تو اس کے نتیجہ میں حضرت نوحؑ کے قول کے مطابق جو یقیناً وحی الٰہی تھا اس طرح وقفے وقفے کے ساتھ برستی کہ سیلاب لانے کی بجائے فیض رساں نہریں بہادیتی اور اس کے نتیجہ میں حضرت نوحؑ کی قوم کے اموال غیر معمولی برکت پاتے اور ان کے نفوس میں بھی برکت پڑتی۔ لیکن افسوس کہ انکار نے اس پانی کو کیسے عذاب کے پانی میں تبدیل کر دیا کہ خطہ ارض کے کونے کونے میں طوفان نوحؑ ایک مثل بن چکا ہے۔

پانی کا ذکر چل پڑا ہے اس لئے ایک دفعہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پانی سے جو دو مختلف خدمات لی گئیں ان کا بیان بھی یہاں بے محل نہ ہوگا۔ ایک بات تو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کس طرح پانی کو عذاب الٰہی کے طور پر استعمال کیا گیا اور فرعون اور اس کی قوم کو اس کے نتیجہ میں ہلاک کر دیا

گیا۔ حضرت موسیٰؑ کے تعلق میں ہی پانی کے رحمت بننے کی ایک عملی مثال بھی موجود ہے۔ جس پانی نے فرعون اور اس کے لشکر کو بے شمار وسائل کے باوجود مغلوب کر دیا وہ پانی جب رحمت بنا تو ایک دودھ پیتے بچے حضرت موسیٰؑ کو ایک کمزور لکڑی کے صندوق میں اپنی لہروں پر بہائے ہوئے خطرے کی جگہ سے امن کے مقام کی طرف لے گیا اور ہلاکت کی بجائے نجات کا موجب بنا۔ اب دیکھ لیجئے کہ بظاہر دونوں واقعات طبعی محرکات کا نتیجہ تھے لیکن وہ بچہ جس نے بعد ازاں بڑے ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنا تھا اور خدا کے عظیم الشان پیغمبر کے طور پر دنیا میں ظاہر ہونا تھا۔ اس کو تو انتہائی کمزوری' ناطاقتی اور کم مائیگی کے باوجود پانی ہلاک کرنے کی قدرت نہیں پا سکتا۔ لیکن اس کے عظیم الشان اور دنیاوی لحاظ سے انتہائی طاقتور دشمن کو اپنے قوی وسائل کے باوجود خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔ اہل بصیرت کے لئے اس میں فکر و تدبر کے سامان موجود ہیں۔

عذاب الٰہی کی قسمیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے قرآن کریم کی رو سے تمام مادی تغیرات کو مشیت الٰہی کے ماتحت عذاب کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور انعام کا بھی۔ جہاں تک عذاب کا تعلق ہے۔ عذاب کی حسب ذیل صورتوں کا قرآن کریم میں واضح ذکر موجود ہے:-

(ا) مسلسل شدید بارش اور زمین کے پانی کی سطح کا بلند ہونا جس کے نتیجہ میں ایسا ہولناک سیلاب ظاہر ہو کہ علاقہ کی تمام آبادی غرق ہو جائے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَی الْمَآءُ عَلٰۤی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○

(سورۃ القمر آیت ۱۱۔۱۳)

ترجمہ : آخر اس (نوحؑ) نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا مجھے دشمن نے مغلوب کر لیا ہے پس تو میرا بدلہ لے۔ جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے پانی کے ذریعے کھول دیئے اور زمین میں بھی ہم نے چشمے پھوڑ دیئے۔ پس (آسمان کا) پانی (زمین کے پانی کے ساتھ) ایک ایسی بات کے لئے اکٹھا ہو گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

(۲) ایسی منحوس تیز ہواؤں کا چلنا جو مسلسل جاری رہیں یہاں تک کہ آبادیاں ویران ہو جائیں اور انسانی لاشیں ٹوٹے ہوئے درختوں کی طرح ہر طرف بکھری ہوئی دکھائی دیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○

(سورۃ القمر آیت ۱۹۔۲۱)

ترجمہ : عاد قوم نے بھی اپنے رسول کا انکار کیا تھا پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی اور ایک دیر تک رہنے والے منحوس وقت میں چلائی گئی تھی وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا۔

(۳) زمین یا آسمان سے ایسی خوفناک گرج یا دھماکوں کا ظاہر ہونا جن کے نتیجہ میں آسمان پتھر برسانے لگے مثلاً آتش فشاں پہاڑوں کے اچانک پھٹنے سے قریب کی بستیوں کا جو حال ہوتا ہے بعینہٖ اس قسم کی حالت کا ذکر عذاب الٰہی کی صورت میں حسب ذیل آیات میں ملتا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا

سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○

(سورۃ الحجر آیت ۷۴-۷۵)

ترجمہ : اس پر اس موعود عذاب نے انہیں (یعنی لوطؑ کی قوم کو) دن چڑھتے ہی پکڑ لیا جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی۔

(۴) ایسی آندھیوں کا مسلسل جاری رہنا جو مٹی اور ریت کے نتیجے میں بستیوں کو اس طرح دفنا دیں کہ محض دیکھنے کے لئے گھروں کے نشان باقی رہ جائیں۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (سورۃ الاحقاف آیت ۲۶)

ترجمہ : یہ ہوا اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی جائے گی نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر صبح ایسے وقت میں آئی کہ صرف ان کے گھر ہی نظر آتے تھے (سب قوم ریت میں دب گئی) اسی طرح ہم مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں۔

(۵) ایسے پے در پے سیلابوں کا آنا جو کسی خطہ زمین کی ہیئت ہی بدل ڈالیں اور زرخیز طاقتور زمینوں کو بنجر اور بیکار زمینوں میں تبدیل کر دیں۔ جہاں بدذائقہ جنگلی پھلوں، جھاؤ جیسی جڑی بوٹیوں اور جنگلی بیریوں کے سوا اور کچھ نہ اگ سکے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○ (سورۃ سبا آیت ۱۷)

ترجمہ : پھر بھی انہوں نے حق سے پیٹھ پھیر لی تب ہم نے (ان کو حق پانے

سے محروم قرار دیکر) ان پر ایسا عذاب بھیج دیا جو ہر چیز کو تباہ کرتا جاتا تھا اور ہم نے ان کے دو اعلیٰ درجہ کے باغوں کی جگہ ان کو دو ایسے باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور جن میں جھاؤ پایا جاتا تھا یا کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔

(۶) زلازل کا آنا جن کے نتیجہ میں زمین تہہ و بالا ہو جائے اور انسانی آبادیاں دھنس جائیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ○ (سورۃ شمس آیت ۱۵)

ترجمہ : لیکن انہوں نے نبی کی بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلایا اور وہ اونٹنی جس سے بچتے رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر دیا ور ایسی تدبیریں کیں کہ ایسا ہی ہو گیا۔

(۷) ایسی طویل خشک سالی جس سے زمین کا پانی بھی سوکھ جائے اور اتنا گہرا چلا جائے کہ اس کا نکالنا انسانی مقدرت سے بڑھ جائے۔ جیسے فرمایا :-

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ○ (سورۃ الملک آیت ۳۱)

ترجمہ : تو یہ بھی کہہ دے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارا پانی زمین کی گہرائی میں غائب ہو جائے تو بہنے والا پانی تمہارے لئے خدا کے سوا کون لائے گا۔

(۸) قحط کا ظاہر ہونا اور قوم کا شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہو جانا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ (سورۃ النحل آیت ۱۱۳)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ (تمہیں سمجھانے کے لئے) ایک بستی کا حال بیان کرتا ہے جسے (ہر طرح سے) امن حاصل ہے اور اطمینان نصیب ہے ہر طرف سے اس کا رزق اسے بافراغت پہنچ رہا ہے پھر (بھی) اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس کی ناشکری پر اللہ نے اس کے باشندوں پر ان کے اپنے گھناؤنے عمل کی وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس نازل کیا ہے۔

(۹) قوموں اور ملکوں کا خوفناک جنگوں کے ذریعہ ایک دوسرے کو تباہ برباد کرنا جس کے نتیجے میں مختلف قسم کی تکالیف کا المناک سلسلہ دیکھنا پڑے۔ جو کئی قسم کی تنگیاں اور مشکلات قوموں پر وارد کرتا ہے یہاں الضراء سے مراد غالباً ایسی تمام سختیاں اور تکلیفیں ہیں جو بڑی بڑی جنگوں کے بعد عموماً قوموں کو گھیر لیتی ہیں مثلاً آزادیوں کو سلب ہونا۔ اقتصادیات کا تباہ ہونا۔ معاشرہ اور تہذیب و تمدن میں فساد ظاہر ہونا۔ وبائی امراض کا پھوٹنا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○

(سورۃ الاعراف آیت ۹۵)

ترجمہ : ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں ہی ہوا کہ) ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔

(۱۰) پرندوں کا عذاب الٰہی بن کر کسی قوم پر اترنا۔ جیسے فرمایا :-

وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ○ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

(سورۃ الفیل آیت ۴-۵-۶)

ترجمہ : اور ان (کی لاشوں) پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (جو) ان (کے گوشت) کو سخت قسم کے پتھروں ں پر مارتے (اور نوچتے) تھے۔ سو اس کے نتیجہ میں اس نے انہیں ایسے بھوسے کی مانند کر دیا جسے جانوروں نے کھالیا ہو۔

(۱۱) کسی بڑی جھیل یا ڈیم کا اس طرح اچانک تباہ ہو جانا کہ گویا پوری پوری کی جھیل کسی قوم پر عذاب کی شکل میں الٹ دی گئی ہو۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ (سورۃ الفجر آیت ۱۴-۱۵)

ترجمہ : جس پر تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا[1] برسایا۔ تیرا رب یقیناً گھات میں (لگا ہوا) ہے۔

(۱۲) موسمی تغیرات کے نتیجہ میں خشکی تری اور ہوا کے ایسے جانوروں کا بکثرت پیدا ہو جانا۔ جو مشیت الٰہی کے مطابق کسی قوم میں عذاب کے سے حالات پیدا کر دیویں یا مختلف بیماریوں کی افزائش کا موجب ہوں مثلاً ٹڈی دل، مینڈک، جوئیں، پسو، مچھر اور اس قسم کے دوسرے حشرات الارض اور ایسے جراثیم جو خونی بیماریاں پیدا کر دیں مثلاً پیچش اور جریان خون سے تعلق رکھنے والی بیماریاں وغیرہ۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۝

(سورۃ الاعراف آیت ۱۳۴)

ترجمہ : تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون

نمبر۱۔ سوط جوہڑ کو بھی کہتے ہیں یعنی اس نشیب دار زمین کو بھی سوط کہا جاتا ہے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ (اقرب الموارد)

بھیجا۔ یہ الگ الگ نشان تھے۔

(۱۳) کسی قوم پر ایسی دوسری قوم کو مسلط کرنا جو ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کریں اور ایسا ایمان لانے کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ دیگر عوامل اس کے ذمہ دار ہوں مثلاً یہود کے متعلق قرآن کریم کی یہ خبر کہ ان کے لئے مقدر کیا گیا ہے کہ قیامت تک ان پر ایسی قومیں مسلط رہیں جو انہیں طرح طرح کے عذاب دیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○

(سورۃ الاعراف آیت ۱۶۸)

ترجمہ : اور یاد کر جب تیرے رب نے اعلان کر دیا کہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے لوگ مقرر کردے گا جو انہیں تکلیف دہ عذاب دیتے چلے جائیں گے (پھر کیا ایسا ہوا یا نہیں ہوا؟) تیرا رب یقیناً بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

عذاب کی جتنی قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ چار معروف عناصر طبعی میں سے ان کا تعلق تین عناصر سے نظر آتا ہے لیکن چوتھے عنصر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب عذاب کی قسمیں۔ مٹی' پانی یا ہوا سے تعلق رکھتی ہیں یا ان جانوروں سے تعلق رکھتی ہیں جو مٹی' پانی یا ہوا میں بسنے والے ہیں لیکن چوتھے عنصر یعنی آگ کے عذاب کا گذشتہ قوموں کے تعلق میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے ابتلاء سے نیک بندوں کی آزمائش کی گئی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں اور سورۃ بروج کے بیان کردہ مضمون سے واضح ہے۔ لیکن جہاں تک آگ کے عذاب کا تعلق ہے

آگ کے عذاب کا اس دنیا میں گزری ہوئی امتوں کے بیان میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن جہاں تک قرآن کریم کی پیشگوئیوں کا تعلق ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل انکار کے نتیجہ میں قوموں کو آئندہ آگ کا عذاب بھی دیا جانا مقدر تھا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں اس کا اشارۃ یا صراحتاً ذکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا :-

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ○ لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ○ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ○ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ○

(سورۃ المرسلٰت ع ۱)

ترجمہ : (ہم ان سے کہیں گے) جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے اسی کی طرف جاؤ یعنی اس سائے کی طرف جاؤ۔ جس کے تین پہلو ہیں۔ نہ تو وہ سایہ دیتا ہے اور نہ تپش سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ وہ اتنے اونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں۔ اتنے اونچے کہ گویا وہ بڑے بڑے جہازوں کے باندھنے والے زرد رسے معلوم ہوتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئے گی۔

اس آیت میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ زمانہ حاضرہ کی جنگوں سے بہت ملتا جلتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں پہلی مرتبہ جنگ کا مہیب سایہ تین نمایاں شعبے رکھتا ہے۔ فضائی' بری اور بحری۔ اور یہ تینوں شعبے آگ برسانے والے ہیں۔ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ میں قلعوں کی طرح جو بلند شعلے پھینکنے کا منظر ہے وہ بعینہٖ جدید آلات حرب کے آگ اگلنے کی تصویر ہے۔ اسی طرح سورۃ الھمزہ میں جس آگ سے ڈرایا گیا ہے اس کا بھی عہد حاضر سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا :-

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ○ اِلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا

وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ○ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ
فِی الْحُطَمَةِ ○ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ○
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ○
اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○

(سورۃ الھمزۃ آیت ۲-۱۰)

ترجمہ : ہر غیبت کرنے والے اور غیب چینی کرنے والے کے لئے عذاب ہے۔ جو مال کو جمع کرتا ہے اور اس کو شمار کرتا رہتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے نام کو باقی رکھے گا۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ اس کا خیال ہے بلکہ) وہ یقیناً اپنے مال سمیت حطمہ میں پھینکا جائے گا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ حطمہ کیا شے ہے؟ یہ (حطمہ) اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کے اندر تک جا پہنچے گی پھر وہ آگ سب طرف سے بند کردی جائے گی۔ تا کہ اس کی گرمی ان کو اور بھی زیادہ تکلیف دہ محسوس ہو اور وہ لوگ لمبے ستونوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔

یہاں کسی فرد کا نہیں بلکہ ایک قوم کا ذکر معلوم ہوتا ہے کیونکہ فرد واحد خواہ کیسا ہی امیر کیوں نہ ہو وہ کبھی بھی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ البتہ امیر قومیں جن کو دولت کا غلبہ نصیب ہو جائے۔ دولت کے بل بوتے پر ضرور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جایا کرتی ہیں کہ ان کا غلبہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ان کو جس عذاب سے خبردار کیا گیا ہے وہ بھی ایسا آگ کا عذاب ہے۔ جو اپنی شدت کی وجہ سے دلوں پر جھپٹتا ہے یعنی آن واحد میں دلوں سے زندگی اچک لینے والا ہے۔ آج کل کے ایٹمی ہتھیار بالکل اس نقشہ پر پورا اتر رہے ہیں اور ایٹم بم کے پھٹنے سے پہلے اس کے مرکز کا کھینچ کر لمبا ہو جانا نیز حطمہ کے معنی ریزہ ریزہ کی ہوئی شی یعنی باریک ترین ریزے یہ

دونوں امور بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ بہرحال جس آگ کے عذاب کی خبر دی گئی ہے وہ اسی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں اس متکبر' مال و دولت کے نشہ میں سرشار قوم کی تباہی معلوم ہوتی ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے خواب دیکھ رہی ہو۔

مذکورہ بالا آگ کے عذاب کی پیش خبریوں کو اگر پہلے مضمون کے ساتھ ملا لیا جائے تو معلوم ہوتا کہ چاروں عناصر یعنی۔ پانی' مٹی' ہوا اور آگ اللہ تعالیٰ کے تصرف کے تحت عذاب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں اور یہی وہ چاروں عناصر ہیں جو انعام کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پس عذاب کے لئے طبعی قوامین کا مسخر ہونا ہرگز کسی اچنبھے کی بات نہیں۔ لازماً ہر قسم کے نقصان اور فائدے انہی طبعی عناصر کے ساتھ وابستہ ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہر زمانے میں ایسے تغیرات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جن کے نتیجے میں آگ' پانی' ہوا اور مٹی کبھی انسان کو فائدہ دے رہے ہوتے ہیں۔ کبھی نقصان' کبھی تنگی کے سامان پیدا کرتے ہیں۔ کبھی آسائش کے تو کیوں بلاوجہ اس کو غیر معمولی تصرف الٰہی قرار دیا جائے اور کیوں بعض حالات کو بعض اوقات عام طبعی تغیرات قرار دیا جائے اور بعض اوقات انہیں خاص تصرفات کا نام دیا جائے۔ جب سے دنیا بنی ہے ایسا ہوتا چلا آیا ہے یہ کوئی نیا سوال نہیں۔ اور جدید زمانے کے انسان نے اس اعتراض کے ذریعہ ایسی نئی بات پیدا نہیں کی جو پہلے انسانوں کو نہ سوجھی ہو۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بعینہٖ یہی اعتراض انبیاء پر کیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ○ (سورۃ الاعراف آیت ۹۵-۹۶)

ترجمہ : اور ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں بھی ہوا کہ) ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کی جگہ سہولت کو بدل دیا یہاں تک کہ جب وہ ترقی کر گئے اور کہنے لگے۔ کہ تکلیفیں اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں پر بھی آیا کرتے تھے (اگر ہمیں آئے تو کوئی نئی بات نہیں) پس ہم نے ان کو اچانک عذاب سے پکڑ لیا اور وہ سمجھتے نہ تھے (کہ ایسا کیوں ہوا)"

ہمارا یہ محض کہہ دینا کہ یہ اعتراض قدیم سے کیا جا رہا ہے کوئی مثبت تسلی بخش جواب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک ہم ان تغیرات کو جو عذاب الٰہی کا نام پاتے ہیں دوسرے عام تغیرات سے ممتاز کر کے اس طرح پیش نہ کریں کہ ایک بین فرق نظر آنے لگے اور دل مطمئن نظر آنے لگیں اور یہ کہ دونوں طبعاً ایک ہونے کے باوجود دونوں الگ الگ دائروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت تک یہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ قبل ازیں فرعون کی ہلاکت کے ذکر میں ایک ایسا پہلو بیان کیا جا چکا ہے۔ جو فرعون کی ہلاکت کے طبعی سامان کو اس سے ملتے جلتے دوسرے واقعات سے قطعی طور پر ممتاز کر کے دکھاتا یعنی قرآن کی پیش گوئی کے مطابق فرعون کی لاش کا انتہائی مشکل حالات میں محفوظ رکھا جانا اور سینکڑوں سال کے بعد دریافت ہو کر انسان کے لئے عبرت کا نشان بننا۔ اس واقعہ کو عذاب الٰہی ثابت کرنے کا ایک ٹھوس ثبوت پیش کرتا ہے لیکن اس پر بات ختم نہیں ہو جاتی قرآن کریم ایسے نمایاں اور واضح دلائل پیش کرتا ہے جس پر غور کرنے سے ایک منصف مزاج کی عقل باسانی مطمئن ہو سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کا نظام اگرچہ ایک پہلو سے عام طبعی قوانین سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر بعض دوسرے پہلوؤں سے ایسی الگ اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ دونوں میں نمایاں فرق ہو جائے۔ اس حصہ مضمون پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ یہ سوال بھی زیر بحث لائیں گے کہ جب کوئی قوم عذاب الٰہی میں مبتلا کی جائے یا کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی جائے تو مومنین کی جماعت پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کا کیا رد عمل ہونا چاہئے۔ مضمون کا یہ حصہ موجودہ زمانہ میں جماعت احمدیہ کی صحیح تربیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور اس بارہ میں لاعلمی کے نتیجہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ بعض احمدی ایسا رد عمل دکھائیں جو سنت انبیاء اور مومنوں کی شان کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

عذاب الٰہی کی پہلی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کو عام حوادث سے ممتاز کرنے والی علامات میں سے ایک اہم علامت یہ ہے کہ عذاب کے واقع ہونے سے قبل ہی اس کی خبر دے دی جاتی ہے اور صرف خبر ہی نہیں بسا اوقات اس کی نوعیت بھی تفصیل سے بیان کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال حضرت نوحؑ کے زمانہ میں بڑی واضح شکل میں ملتی ہے۔ آپ نے پہلے سے قوم کو متنبہ کر دیا کہ تمہارے اعمال کی خرابی کے نتیجہ میں نیز میرے مسلسل انکار کی وجہ سے تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ اس تنبیہ کے ساتھ ہی آپ نے ذریعہ ہلاکت سے بھی ان کو آگاہ کر دیا اور بتایا کہ تمہاری ہلاکت کا ذریعہ پانی کو بنایا جائے گا۔ جو ایک ایسے بے نظیر سیلاب کی صورت میں آئے گا۔ جس سے اس علاقہ کی کوئی چیز خواہ انسان ہو یا حیوان، بچ نہیں سکے گی۔ یہ خبر دینے کے ساتھ ہی حضرت نوحؑ

اس کشتی کی تعمیر میں مصروف ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق اس عذاب سے مومنوں کو بچانے کے لے بنائی جا رہی تھی۔ منکرین پاس سے گزرتے، ہنستے اور تمسخر اڑاتے۔ حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کے طعنوں کا نشانہ بناتے لیکن کوئی بھی یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ آسمان اس کثرت کے ساتھ پانی برسا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی پناہ گاہ اس کی زد سے انسان کو بچا نہ سکے، لیکن آخر وہ دن آگیا جب کہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ (القمر:۱۲)

آسمان نے اپنے تمام دروازے کھول دیئے اور ایسا موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا جس کی کوئی مثال اس سے پہلے دیکھی نہ گئی تھی۔ حضرت نوحؑ اور آپ پر ایمان لانے والے کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے ساتھ معین مدت کے لئے زاد سفر بھی لے لیا۔ کچھ جانور اور کچھ پرندے جو پہلے سے اس غرض کے لئے جمع کئے گئے تھے وہ بھی اس کشتی میں سوار کر لئے گئے۔ لیکن اس وقت تک بھی دیکھنے والے دیکھتے رہے اور تمسخر اڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ کشتی پانی کی بلند ہوتی ہوئی سطح کے ساتھ بلند تر ہوتی چلی گئی اور مکانات، اونچی جگہیں اور ٹیلے رفتہ رفتہ پانی میں ڈوبنے لگے لیکن اس وقت بھی ایمان نہ لانے والوں کو یقین نہ آیا کہ کشتی کے سواروں کے سوا اس علاقہ کے باقی تمام لوگ غرق ہو جائیں گے۔ خود حضرت نوحؑ کے ایک جسمانی بیٹے نے بھی اپنی بدقسمتی سے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس غیر معمولی بارش اور سیلاب کو آخر وقت تک ایک طبعی حادثہ سمجھتا رہا۔ اسے یہ گمان تو شاید گزرتا ہو کہ یہ کشتی کے سوار غرق ہو جائیں گے لیکن یہ وہم اس کے دل میں نہ آیا کہ سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر نکل جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق کے مطابق ہمیں اہل دنیا کی جو آخری آواز سنائی دیتی ہے وہ حضرت نوحؑ کے

اس بیٹے کی یہ آواز ہے:۔ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ (ھود: ۴۴)

کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اور یہ پہاڑ مجھے بچالے گا۔

لیکن ایک بلند و بالا موج حضرت نوحؑ کی کشتی اور پہاڑ پر پناہ لینے والے اس وجود کے درمیان حائل ہو گئی۔ پانی بلند سے بلند تر ہوتا رہا اور پہاڑوں کی چوٹیاں روپوش ہونے لگیں۔ تیرنے والی اس کشتی کے سوا سطح آب پر کوئی اور چیز نظر نہ آتی تھی۔

یہ واقعہ جو تفاصیل کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنی اسلام، یہودیت اور عیسائیت کو مسلم ہے۔ کم از کم ان اہل مذاہب کے لئے تو ضرور ایک حجت ہے اور یہ وہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ معمول کے مطابق طبعی قوانین کے تابع برسنے والی بارش بھی کبھی عذاب الٰہی کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کی مختلف اقسام کا بیان چونکہ پہلے گذر چکا ہے اس لئے اس کی تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف عذاب الٰہی کی امتیازی علامات کا ذکر ہو رہا ہے تو پہلی علامت قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ وقت سے پہلے عذاب الٰہی کی خبر دے دی جاتی ہے اور بسا اوقات اس کی نوعیت کی بھی تعیین کر دی جاتی ہے۔

دوسری امتیازی علامت

دوسری امتیازی علامت ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی کے واقع ہونے کو ایک ایسی شرط کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے جس کا کسی پہلو سے بھی ان عوامل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کے نتیجہ میں کوئی ارضی و سماوی حادثہ رونما ہو سکے۔

حضرت صالحؑ کے عہد کی مثال ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ خوفناک دھماکہ جسے آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا کہہ لیں یا غیر معمولی قوت کی گھن گرج قرار دے لیں یا اچانک زمین کے پھٹنے کے نتیجہ میں ایک ہیبت ناک آواز تصور کرلیں۔ غرضیکہ اس "صیحہ واحدۃ" کی جو شکل بھی چاہیں تجویز کرلیں۔ یہ امر تو بہرحال انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس "صیحہ" کا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں یعنی اس کے نتیجے میں یہ واقع رونما نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو طبعی ذریعہ بھی حضرت صالحؑ کی قوم کو ہلاکت کے لئے تجویز ہوا وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک غیر معمولی تقدیر تھی۔ جب تک قوم حضرت صالحؑ کی اونٹنی کا پانی بند کرنے اور اس کی ایذاء رسانی سے باز رہی اذن الٰہی کی تکمیل نے اس ہولناک حادثہ کو رونما ہونے سے سختی سے روکے رکھا لیکن جونہی اونٹنی کا پانی بند کیا گیا۔ اور کونچیں کاٹی گئیں تو قوانین طبعی کو اپنی جولانیاں دکھانے کی اجازت دے دی گئی۔

تیسری امتیازی علامت

تیسری علامت جو حادثات طبعی کو عذاب الٰہی سے ایک غیر معمولی امتیاز بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ عذاب الٰہی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کافروں کے ساتھ مومنوں کو بھی ہلاک کر دے بلکہ بلا استثناء ہر ایسے حادثے کے وقت مومن بچا لئے جاتے ہیں اور منکرین ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم میں بعض ایسے قومی عذابوں کا ذکر ملتا ہے جن کے نتیجہ میں منکرین کے ساتھ مومن بھی کسی قدر تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن یہ عذاب ایک استثنائی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ ہم عذابوں کی جن اقسام پر بحث کر رہے ہیں یہ وہ عذاب ہیں جو مومن اور غیر مومن میں تفریق کے لئے آتے ہیں اور جن کے متعلق وقت کے انبیاءؑ واضح الفاظ میں یہ خبر دے دیا

کرتے ہیں کہ یہ خدا کے پاک بندوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس کا کوئی طبعی جواز نظر نہیں آتا۔ آخر کیوں ایک معمول کے مطابق ہونے والا حادثہ قوم کی بھاری اکثریت کو تو ہلاک کر دے لیکن چند لوگوں سے استثنائی سلوک کرتے ہوئے بغیر گزند پہنچائے پاس سے گذر جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ قوم کے طاقتور اور دنیاوی سروسامان سے متمتع غالب قوتوں والے حصہ کو تو ہلاک کر دے جس کے پاس حوادث سے بچنے کے زیادہ سے زیادہ ظاہری سامان موجود ہوتے ہیں لیکن چند کمزور اور ضعیف اور بے سروسامان لوگوں کو گزند پہنچانے کی اسے کوئی قدرت حاصل نہ ہو۔

چوتھی امتیازی علامت

چوتھی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ عذاب الٰہی کے بعد وہ نظریہ حیات یا تو کلیتہً مٹا دیا جاتا ہے یا مغلوب کر دیا جاتا ہے جو عذاب الٰہی سے پہلے طاقتور اور غالب ہوتا ہے اور وہ نظریہ حیات جو عذاب الٰہی سے پہلے نہایت کمزور اور مغلوب حالت میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے زندہ رہنے کے کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتے وہ عذاب الٰہی کے بعد نہایت قوی اور غالب صورت میں تیزی کے ساتھ نشو ونما پانے لگتا ہے۔ حتی کہ نظریات کے میدان میں کبھی تو ایسے تنہا عظیم فاتح کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔ جس کا مدمقابل کلیتہً خاک میں مل چکا ہو اور کبھی ایسے فتحمند جرنیل کی شکل میں نظر آتا ہے۔ جس کا حریف نہایت کمزوری اور ذلت کی حالت میں اس کے غلبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکا ہو۔

جو اہل مذاہب مذہبی تاریخ کو تسلیم کرتے ہیں جو آسمانی صحیفوں میں ان کے لئے محفوظ کی گئی ان کے لئے تو مذکورہ امور ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو کسی مذہب سے وابستہ نہیں یا وابستہ ہونے کے باوجود

دہریت اور لادینیت کا شکار ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا چاروں علامتیں تاریخ مذاہب سے حاصل کی گئی ہیں اور ہمیں اس تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ان کی حیثیت دلائل کی نہیں محض دعاوی کی ہے لیکن ادنیٰ سے تدبر سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا دعاوی اپنے ساتھ ایسے دلائل اور شواہد بھی رکھتے ہیں جن کی کوئی لامذہب بھی تردید نہیں کر سکتا۔

میں اپنے مدعا کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں چند امور قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

اول: دنیا کا کوئی لامذہب یا بے دین انسان اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی کسی نبی یا مصلح نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن پا کر دنیا کو ہدایت کی طرف بلایا کوئی دنیاوی ذریعہ اس کے پاس ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنے مخالفین پر غالب آ سکتا۔ اس کے برعکس اس کے مخالفین کو ہر پہلو سے اس پر مکمل دنیاوی فوقیت حاصل تھی۔ کیا بلحاظ تعداد، کیا بلحاظ مال و دولت، کیا بلحاظ سیاسی قوت اور کیا بلحاظ اسباب جنگ، ہر پہلو سے وہ اس دعویدار کے مقابل پر اتنے طاقتور اور قوی تھے کہ ادنی سی دنیاوی کوشش کے نتیجہ میں اسے اور اس کے چند ماننے والوں کو ہلاک کر دینے کی پوری طاقت رکھتے تھے ایسے انبیاءؑ اور مصلحین کی کمزوری کا کچھ تصور اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ دنیاوی تاریخ کسی نبی کے ظہور کے واقعہ کو اپنے زمانے میں ایک ایسا معمولی واقعہ سمجھتی ہے جیسے کسی وسیع جھیل میں سے ایک بچے کے ہاتھ میں پھینکی ہوئی کنکر سے کچھ کمزور لہریں پیدا ہوں حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کو اور واقعہ صلیب کو جو اہمیت حاصل تھی۔ اس کا آج جو ہم تصور باندھے ہوئے ہیں۔ اس عہد کے انسان کا تصور اس سے بالکل مختلف تھا۔ ہم چونکہ نسلا بعد نسل اس عظیم واقعہ کا ذکر سنتے آئے ہیں۔ اس لئے ہم خواہ مخواہ یہ خیال کرنے

لگتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا دعویٰ اور بعد میں رونما ہونے والا واقعہ صلیب اس زمانے کے انسانوں کی نظر میں بھی کوئی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ہمارا یہ گمان ہرگز حقیقت پر مبنی نہیں۔ عظیم سلطنت روما کے ایک گوشے میں رونما ہونے والے اس واقعہ نے اس زمانہ کے مؤرخین کی توجہ اس حد تک بھی اپنی طرف مبذول نہ کروائی کہ وہ اسے کوئی قابل ذکر بات سمجھ کر چند سطروں میں ہی اس کا ذکر محفوظ کر دیتے۔ چنانچہ رومن مؤرخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک سو سال کے بعد تک بھی یسوع نام کے کسی نبی کے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں کرتے اور گویا واقعہ صلیب معمول کے مطابق ایک روز مرہ کی قانونی کارروائی سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی کارروائیاں قومی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کرنے کے لائق شمار نہیں کی جاتیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تاریخی عظمت کا انحصار کلیتہ عیسائیت کے پھیلاؤ سے تھا۔ جوں جوں عیسائی قوم ترقی کرتی چلی گئی بعد میں آنے والے مؤرخین اس واقعہ کو پہلے سے بڑھ کر اہمیت دیتے چلے گئے۔ مگر عہد مسیح ؑ میں یقیناً سلطنت روما کے مقابل پر مسیح ؑ کی ظاہری حیثیت قابل ذکر نہ تھی کہ ان کا مرنا یا جینا سلطنت روما کے اہلکاروں کی نگاہ میں کوئی قابل اعتناء بات سمجھی جاتی۔

اسی طرح اس کائنات کا سب سے بڑا واقعہ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ فتح مکہ سے قبل تک اس زمانہ کے انسان کو ایک ایسا عام اور معمولی واقعہ نظر آتا تھا کہ جب تک مسلمانوں کے بعد کی فتوحات نے مشرق و مغرب میں زلازل برپا نہیں کئے اس وقت تک رومن اور فارس کی سلطنتوں نے ظہور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کوئی خاص قابل اعتناء بات نہ سمجھا۔ کسریٰ کی حکومت تو بہت جلد اسلام سے مغلوب ہو گئی۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایرانی مؤرخین

نے فتح مکہ سے قبل حضرت رسول اکرم ﷺ کا کوئی ذکر اپنی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا یا نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے رومن مؤرخین کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ہاں کائنات کے اس عظیم ترین واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔

ایران کی عظیم مشرقی سلطنت کے بارہ میں بھی ان روایات کی روشنی میں جو اسلامی تاریخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شہنشاہ ایران کے نزدیک یہ ایک بہت معمولی واقعہ تھا۔ اس دور کے خسرو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے یمن کے گورنر کو یہ کہلا بھیجا تھا کہ شنید کے مطابق کوئی اس قسم کا دعویدار عرب میں پیدا ہوا ہے اسے پکڑوا کر میرے دربار میں حاضر کرو۔ یمن کے گورنر کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے صرف دو کارندے اس غرض کے لئے مدینہ روانہ کئے کہ نعوذ باللہ سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر اس کے سامنے لائیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کی دنیا نے ظہور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اہمیت دی ہوگی۔

پس دنیا کا کوئی لامذہب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر نبی اپنے دعویٰ کے وقت کمزور ہی نہیں بلکہ اہل دنیا کو اتنا کمزور نظر آتا ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا ان کے نزدیک برابر ہوتا ہے۔ آدم سے لیکر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بلا استثناء ہمیشہ یہی کہانی دوہرائی گئی۔

دوم: اس کے بعد ہر لامذہب اور منکر دین کو اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ عظیم سلطنتیں اور عظیم قومیں جو اپنے وقت کے نبی کو پرپشہ کی حیثیت بھی نہیں دیتی تھی۔ "حوادث زمانہ" (اہل مذہب کے نزدیک عذاب

الٰہی) کا شکار ہو گئیں۔ اور ان کی صف اس دنیا سے یکسر لپیٹ دی گئی اور ان کے مذاہب مٹ گئے اور ان کے نظریات فنا ہو گئے اور کچھ بھی ان کا باقی نہ رہا سوائے اس ذکر کے جو تاریخ کے صفحات میں پھیلا ہوا ہے لیکن وہ جن کا کچھ ذکر ان لوگوں کی تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتا وہ ایک ناقابل فہم معمہ بن کر ان سلطنتوں اور قوموں پر غالب آ گئے وہ باقی رہے اور اس شان سے باقی رہے کہ ان کے نظریات ہی آج غالب نظریات کے طور پر زندہ موجود ہیں ان کے مذاہب نے دنیا کے عظیم خطوں کو گھیر رکھا ہے یہاں تک کہ آج دنیا میں بسنے والے لوگوں کی غالب اکثریت وہ ہے جو کسی نہ کسی ایسے نبی' رشی یا اوتار کی طرف منسوب ہوتی ہے جو اپنے وقت کا کمزور ترین انسان تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان قوموں کے مٹنے کا باعث حوادث زمانہ تھے تو عقلاً ان کا اول شکار اس زمانے کے کمزور ترین انسان ہونے چاہئیں تھے نہ کہ انتہائی طاقتور اور حکمران قومیں-----؟ حوادث زمانہ کو یہ تمیز کہاں سے آئی کہ کمزور اور طاقتور میں ایسی تمیز کرے کہ کمزور کا معین و مددگار اور طاقتور کا جان لیوا دشمن بن جائے؟

سوم: ایک تیسری حقیقت جو اسی تعلق میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور کوئی لامذہب اور بے دین انسان اس کا بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ یہ ہے کہ وہ بستیاں جو زلازل کا شکار ہوئیں اور مسلسل چلنے والی آندھیوں کے نتیجہ میں تہہ بہ تہہ خاک کے تودوں کے نیچے دب کر تباہ ہو گئیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو کسی نبی پر ایمان لانے والی جماعت پر مشتمل ہو بلکہ تمام بے دینوں اور منکروں کی بستیاں ہیں۔ جن کے آثار باقیہ آج بھی شرک و بدعت اور فسق و فجور کی داستانیں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم نے ان بستیوں کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور انسان کی توجہ بار بار اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ

قدیم سے جاری و ساری عظیم شاہراہوں پر ان بستیوں کو تلاش کرو تو تمہیں خاک کے عظیم تودوں تلے دبی ہوئی نظر آئیں گی اور تم دیکھو گے کہ ان میں وہ قومیں مدفون ہیں جو اپنے وقت کے انبیاء کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا عزم لے کر اٹھی تھیں۔ ان کے عزائم نہایت خطرناک اور ان کی قوت ناقابل دفاع تھی۔ اس وقت جب کہ بظاہر انبیاء اپنے غلبہ سے مایوس ہو گئے۔ تب اچانک اللہ تعالیٰ کی مدد ایک ایسے عذاب کی صورت میں آئی جو اچھے اور برے میں امتیاز کرنے والا تھا جسے خدا چاہتا تھا۔ اسے نجات بخشنا تھا لیکن مجرم اس کی پکڑ سے بچ نہ سکتے تھے قرآن کریم اس کیفیت کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتا ہے:۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔

(یوسف آیت ۱۱۱)

اور جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) ناامید ہو گئے۔ اور (دوسری طرف) ان (منکروں کا یہ) پختہ خیال ہو گیا کہ ان سے (وحی کے نام سے) جھوٹی باتیں کہی جا رہی ہیں تو (اس وقت) ان (رسولوں) کے پاس ہماری مدد آ گئی اور جنہیں ہم بچانا چاہتے تھے (انہیں) بچا لیا گیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب (ہرگز) نہیں ہٹایا جاتا۔

یہ مدفون قومیں جن کے مدفن سے انسان لاعلمی اور غفلت کی حالت میں گذر جایا کرتا تھا۔ آج کے زمانے میں جب کہ زمین اپنے بوجھ اگل رہی ہے منظر عام پر ابھر رہی ہیں لیکن جس وقت قرآن کریم نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔ اکثر انسان ان کے بارے میں لاعلمی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

پانچویں امتیازی علامت

پانچویں علامت جو عذاب الٰہی کو حوادث زمانہ سے الگ کرتی ہے اس کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت میں ملتا ہے:۔

وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔

(الزخرف آیت ۴۹)

ترجمہ: ہم ان کو جو نشان بھی دکھاتے تھے وہ اپنے نشان سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا تاکہ وہ (اپنی بداعمالیوں سے) لوٹ جائیں۔ یعنی عذاب الٰہی میں ایک تدریج اور ترتیب پائی جاتی ہے اور آخری غلبہ تک عذابوں کا سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

گویا عذاب الٰہی کے مختلف مظاہر میں خفیف سے اشد کی طرف حرکت نظر آتی ہے۔ اگر عذاب کی شدت کا گراف بنایا جائے تو معمولی اتار چڑھاؤ کے باوجود عذاب کا عمومی رخ شدید سے شدید تر کی طرف ہی نظر آئے گا۔ یہانتک کہ اگر قوم پیغمبر وقت کے نظریات کو قبول نہ کرے اور اس کی ہلاکت مقدر ہو جائے تو عذاب کی آخری یورش سب سے شدید اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔ حوادث زمانہ میں ایسی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی۔

چھٹی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کی چھٹی امتیازی علامت یہ ہے کہ گو حوادث زمانہ انسان کی قلبی کیفیت سے اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ ان کیفیات سے بے نیاز اپنے دائرہ میں کار فرما رہتے ہیں لیکن عذاب الٰہی اس عہد کے انسانوں کی قلبی کیفیات سے ایک ایسا عجیب رشتہ رکھتا ہے اگر دلوں میں گزشتہ گناہوں پر ندامت اور پشیمانی پیدا ہو

جائے اور طبیعتیں استغفار کی طرف مائل ہوں تو عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔
قرآن کریم عذاب الٰہی کی اس امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

(سورۃ انفال آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ انہیں ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتا کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

گزشتہ انبیاء کی تاریخ میں حضرت یونسؑ کے عہد کا واقع اس نوع کی ایک نمایاں مثال ہے۔ کہ عذاب الٰہی کی خبر دیئے جانے کے باوجود جب قوم نے استغفار سے کام لیا تو یہ غیر متبدل سنت اللہ قوم اور عذاب الٰہی کے درمیان حائل ہو گئی۔

ساتویں امتیازی علامت

عذاب الٰہی کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ عذاب اس وقت تک انتظار کرتا ہے۔ جب تک نبی ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (سورۃ انفال آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز عذاب نہیں دے گا کہ تو ان کے اندر موجود ہو۔

ظاہر بات ہے کہ حوادث کسی کا انتظار نہیں کرتے۔ پس وہ حوادث جو کسی خاص وجود یا نیک لوگوں کی خاطر رکے رہیں اور اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ وہ ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑیں تو پھر یہ سرگرم عمل ہوں۔ مذہبی اصطلاح میں ایسے حوادث کو عذاب الٰہی کہا جاتا ہے۔

اس جہت سے جب ہم اس سوال پر نظر ڈالتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قومیں

کس طرح عذاب کے چنگل سے بچ گئیں تو اس کا ایک جواب یہ سامنے آتا ہے کہ یا تو وقت سے پہلے خبردار ہونے کی بناء پر انبیاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ہلاک ہونے والی جگہوں کو چھوڑ چکے تھے یا خود ان کی قوموں نے انہیں اپنے آبائی وطنوں سے جلا وطن کر دیا تھا۔ پس عذاب الٰہی اس وقت آیا جب وہ ان بستیوں میں موجود نہ تھے۔

یہاں ضمناً اس اعتراض کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے وقت کیوں بستی کو چھوڑ کر باہر باغات میں خیمہ زن ہو گئے کم فہم معاندین بڑے تمسخر سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ قرآن کریم کی پیش کردہ تعلیم کی رو سے سنت انبیاء یہی چلی آئی ہے کہ عذاب کی خبر کے بعد اس سے بچنے کے ظاہری اسباب ضرور اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود انہیں ہر قسم کی پیش بندی کا ارشاد فرماتا ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ عذاب الٰہی کی خبر سن کر انبیاء عین بیچ مقام عذاب کے ڈیرہ ڈال لیں۔

عذاب کی بعض قسمیں ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن سے بچنے کے لئے بظاہر کوئی ظاہری ذریعہ اختیار نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود وہ عذاب خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہلاک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس نوعیت کے عذابوں کے متعلق چونکہ انبیاءؑ کو پہلے سے مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جس حد تک انہیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ کوئی تدبیر اختیار نہیں فرماتے پھر بھی وہ دشمن جو ہر طرح کی تدابیر اختیار کرنے پر قادر ہوتا ہے وہ تو عذاب کی زد سے بچ نہیں سکتا لیکن انبیاء اور ان کے ساتھی بعض نامعلوم محرکات کی بناء پر اس کی پکڑ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کی مثال تاریخ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ملتی ہے جب کہ بنی

اسرائیل کو صرف ایک احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کا ارشاد ہوا۔ یعنی خمیر کھانے سے روک دیا گیا۔ اس کے سوا کوئی اور ایسی تدبیر اختیار نہیں کی گئی جس کا صحف سابقہ یا تاریخ میں ذکر ملتا ہو۔ فرعون کی قوم اس کے برعکس ہر قسم کی وبائی امراض کے مقابلہ کے لئے تمام معلوم ذرائع اختیار کرنے پر آزاد تھی لیکن جب بعض وبائی بیماریوں نے جن کا تعلق خون سے تھا ان کی قوم پر حملہ کیا تو حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے انہی لوگوں میں رہنے کے باوجود ان بیماریوں سے بچ گئے اور فرعون کی قوم عموماً ان کا شکار ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی مثال طاعون کے عذاب کی شکل میں ملتی ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ایک اور اہم سوال

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم کے مخالفین اگر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے اور نوحؑ کے منکرین کا نشان باقی نہیں رکھا گیا اور موسیٰؑ کا مقابلہ کرنے والے اگر نیل کی موجوں کی نذر ہو گئے اور داؤدؑ کے دشمنوں کی صف اگر لپیٹ دی گئی اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو بھی اس کے منکرین پر ایسا عظیم الشان غلبہ حاصل ہو گیا کہ وہ جو کبھی تعداد میں کم تھے وہ غالب اکثریت میں تبدیل ہو گئے اور وہ جو کبھی محکوم اور مظلوم تھے حاکم اور جابر بن گئے۔ پھر کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو نبیوں کے سرتاج اور سردار اور خاتم المرسلین ہیں آپؐ کی تائید میں عذاب الٰہی نے وہ معجزات نہ دکھائے کہ جو گزشتہ انبیاء کی تائید میں دکھا چکا تھا اور کیوں آج تک آپ کو اپنے مخالفین پر اتنا غلبہ بھی نصیب نہیں ہو سکا جتنا حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو واقعہ صلیب کے چند سو سال کے اندر نصیب ہو گیا؟

اس کے جواب میں پہلا قابل توجہ امر یہ ہے کہ قرآن کریم نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عذاب الٰہی کا مقصد بلا استثناء ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے کہ مخالف

قوم کلیتہ مٹا دی جائے اگرچہ قرآن کریم بعض ایسی قوموں کا ذکر بھی کرتا ہے جن کے متعلق یہی فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے لیکن قاعدہ کلیہ کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ ہاں اگر قاعدہ کلیہ ہے تو صرف یہ کہ عذاب الٰہی کے نتیجہ میں انبیاء کی جماعتوں کو اپنے مخالفین کی جماعتوں پر لازماً غلبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اس غلبہ کے بعد مخالف قوم کا ایک حصہ باقی رکھا جاتا ہے اور اس کے باقی رکھے جانے میں بھی ایک عذاب کا پہلو ملتا ہے۔ دنیا میں متعدد ایسی خانہ بدوش اور بادیہ پیما قومیں ملتی ہیں جو سخت ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اگر ان کی تاریخ کا تتبع کیا جائے تو بعید نہیں کہ اس خطہ زمین کے کسی صاحب جلال نبی کے انکار کے نتیجہ میں ان کے ابتدائی مولد و مسکن پر لعنت کی گئی اور وہ اس قوم کے لئے عبرت کا نشان بن کر پیچھے چھوڑ دی گئی ہوں۔ لیکن یہ کوئی تحقیق شدہ مسئلہ نہیں محض ایک امکان ہے جہاں تک ٹھوس تاریخی حقائق کا تعلق ہے قرآن کریم اس ضمن میں یہود کی مثال پیش کرتا ہے۔ چنانچہ یہود کا باقی رکھے جانا اس طرز عذاب کی ایک مثال ہے اور قرآن کریم کی پیشگوئی کے مطابق ان کی ذلت اور رسوائی کی کہانی کو قیامت تک زندہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن کریم اس ضمن میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے یہ خبر دے دی تھی کہ

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (سورۃ آل عمران آیت ۵۶)

میں تیرے ماننے والوں کو تیرے منکرین (یہود) پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔

یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال سے تین سو سال کے اندر نہایت شاندار رنگ میں پوری ہو گئی اور آج تک قرآن کریم کی صداقت پر

ایک زندہ نشان بنی ہوئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اناجیل یا عہد نامہ جدید میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ ایک ایسی اہم اور شاندار پیشگوئی تھی کہ بائبل کو اول طور پر اس کا ذکر کرنا چاہئے تھا تاہم بائبل خاموش رہی اور قرآن کریم نے اس کا ذکر فرما دیا اور اس وقت سے لے کر آج تک دنیا کی تاریخ قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہاں ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عذاب الٰہی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی قوم کو ذلت اور مغلوبیت کی حالت میں مَغْضُوْب عَلَيْهِم بنا کر تا قیامت زندہ رکھا جائے۔

پھر ایک ضمنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد حاضر میں ایک مسلمان علاقے میں یہود کو غلبہ کیوں نصیب ہوا اور کیوں عالم اسلام کے عین وسط میں ان کو ایک ظالمانہ حکومت قائم کرنے کی توفیق ملی؟ اس سوال پر تفصیلی بحث کا تو یہ موقعہ نہیں البتہ اشارۃ یہ کہنا کافی ہو گا کہ قرآن کریم میں پہلے ہی سے اس عارضی غلبے کی بھی پیشگوئی موجود ہے اور اس کا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر اور اہل دنیا پر یہ بات روشن کر دی جائے کہ اس قوم کو قیامت تک مَغْضُوْب عَلَيْهِم بنانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم اور تعدی کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ یہ قوم اپنی سرشت کے لحاظ سے اس حد تک بگڑ چکی ہے اور ان کے دل ایسے سخت ہو چکے ہیں کہ اگر انہیں کبھی غلبہ نصیب ہو تو انتہائی ظلم اور سفاکی پر اتر آئیں گے۔ لہٰذا یہ اس قابل نہیں رہے کہ انہیں کبھی دنیا کی سرداری بخشی جائے۔

اب ہم اصل سوال کی طرف واپس آتے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین پر کیوں ایسا عذاب الٰہی نازل نہیں ہوا جو ان کو کلیتہ آنحضرت ﷺ کے دین کے مقابل پر مغلوب کر دیتا اگر آپ تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا

کر بھیجے گئے تھے تو محض عرب قوم پر غلبہ عقل کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ آج جبکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کو چودہ سو برس ہونے کو آئے حالت یہ ہے کہ دوسری قومیں تو الگ رہی صرف عیسائیوں کے مقابل پر بھی مسلمان ہر لحاظ سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ آج عیسائیوں کو ان پر عددی اکثریت بھی حاصل ہے۔ اموال کا غلبہ بھی نصیب ہے۔ سیاسی غلبہ بھی نصیب ہے اور عسکری قوت کا غلبہ بھی نصیب ہے۔ اسی طرح علمی تمدنی اور معاشرتی طور پر بھی دنیا میں عیسائی قومیں غالب اور مسلمان اقوام مغلوب دکھائی دے رہی ہیں۔

اس سوال پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کو جو غلبہ کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مدت کیا ہونی چاہئے۔ جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ کتنے عرصے میں غلبہ ہونا چاہئے اس وقت تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس پہلو سے جب ہم انبیائے گزشتہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اگرچہ غلبہ ایک آخری اور قطعی نتیجہ کے طور پر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے لیکن کوئی معین مدت ایسی نظر نہیں آتی جو اس بارہ میں رہنما اصول کا کام دے سکے۔ عیسائیت کے غلبے کو ہی لیجئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد تقریباً تین سو سال تک عیسائیت ایک ابھرتی ڈوبتی اور پھر ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی ناؤ کی طرح دکھائی دیتا ہے جس کا مستقبل غیر یقینی نظر آتا ہے۔ ایسے ایسے ادوار بھی عیسائیت پر آئے کہ قوی اور ظالم دشمن سے بظاہر کلیتہ مغلوب ہو کر عیسائیوں کو زیر زمین غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ اصحاب کہف کی یادگار وہ غاریں آج بھی یورپ میں موجود ہیں جن کا زیر زمین سلسلہ میل ہا میل تک پھیلا ہوا ہے۔ جنہیں کیٹاکوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے راستے اتنے پیچیدہ اور اندھیرے ہیں کہ آج کے جدید

روشنی کے سامانوں کے باوجود بڑی احتیاط کے ساتھ قافلوں کی صورت میں زائرین راستہ دکھانے والوں کے پیچھے چل کر معائنہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کئی زائرین راستہ بھٹک کر ان پیچ در پیچ ظلماتی راستوں کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن یہی ظلماتی راہیں کبھی موحد اور مظلوم عیسائیوں کے نور سے روشن تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بالائے زمین خطرات کو ان زیر زمین خطرات سے بہت زیادہ بھیانک پایا اور بسا اوقات سال ہا سال کا عرصہ انہیں غاروں میں بسر کر دیا لیکن یہ پسند نہ کیا کہ قوی دشمن کے خوف سے اپنے دین کو تبدیل کر دیں۔ سطح زمین پر جیسے جیسے رومن تاریخ کروٹیں بدلتی رہی ویسے ویسے ہی یہ عیسائی اقوام کبھی باہر نکل کر کھلے آسمان تلے دم لے لیتیں۔ اور کبھی پھر غاروں میں پناہ گزیں ہو کر ایک نیم خوابیدہ سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔ یہ دور اس طرح چلتا رہا یہاں تک کہ عذاب کی مختلف شکلوں نے پے در پے صدمے پہنچا کر عظیم سلطنت روما کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور آخر دنیا نے یہ حیرت انگریز نظارہ دیکھا کہ عیسائیت ان غاروں سے نکل کر ترقی کے بلند و بالا میناروں کی زینت بن گئی اور آج ان اقوام کی تعمیر کردہ سربفلک عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں غیر معمولی بلندی کی وجہ سے انہیں سکائی سکریپرز کا نام دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب شان ہے کہ وہ لوگ جو کبھی خدا تعالیٰ کے پیغام کے لئے سطح زمین پہ نہ بس سکتے تھے اور بالائے زمین کھلی فضا میں رہنے کی بجائے انہوں نے محض خدا کی خاطر زیر زمین گہری، تنگ و تاریک غاروں میں رہنا پسند کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری رفعتیں بھی ایسی عطا کیں کہ ان کی عمارتیں ہی نہیں وہ خود بھی آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی ان کے قدم چاند کی سرزمین کو روندتے ہیں اور کبھی ان کے راکٹس مارس کی بلندیوں کو سر کر لیتے ہیں۔ پس جہاں تک

واقعات کا تعلق ہے گو ہر دنیاوی معیار کے لحاظ سے یہ بات ناقابل فہم اور ناممکن دکھائی دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد تین صدیوں کے کمزور عیسائی کسی وقت دنیا پر ایک عظیم غلبہ حاصل کرلیں گے اور سماء الدنیا پر پرواز کرتے ہوئے دکھائے دیں گے۔ لیکن واقعات اس ناممکن تصور کو ممکن بنا کر دکھا رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور اگر غیر قومیں ان کے پیغام کو بزور شمشیر دبانے کی کوشش نہ کرتیں تو ممکن ہے کہ عیسائیت محض بنی اسرائیل تک محدود رہتی سوائے اس کے اپنے ترقی کے سفر کے دوران اپنے دائیں بائیں وقتاً فوقتاً کچھ پگڈنڈیاں بنا لیتی لیکن لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ کے اٹل قانون سے جب غیر قوموں نے ٹکر لی ہے تو وہ خائب و خاسر ہو کر کلیتہ مغلوب ہونے پر مجبور کر دی گئیں۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں اور یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور یہ عہد نامہ جدید سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ عیسائیت ایک محدود قوم اور ایک خاص نسل کے لئے ایک معین وقت تک پیغام حیات مقرر کی گئی تھیں اور اس کا مشن فی ذاتہ کبھی بھی عالمی مشن مقرر نہیں ہوا چنانچہ عہد نامہ جدید میں اشارۃ بھی اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ حضرت مسیحؑ کا پیغام کل عالم اور ہر زمانے کے لئے تھا۔

پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَاءِیْلَ کو غلبہ کے لئے تین سو سال درکار تھے بلکہ تین سو سال کے بعد بھی غلبہ کا حامل نہیں ہوا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ غلبے کی تکمیل کے سامان پیدا ہو گئے تو وہ رسول جس کا دعویٰ ہی یہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کے لئے خواہ مشرق میں بسنے والے ہو یا مغرب میں، سفید قوموں سے تعلق رکھتے ہو یا سرخ گندم گوں یا

زرد یا سیاہ فام۔ میں تم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اتنے بڑے اور عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے اور اس عظیم پیغام کے تمام دنیا پر کلیتہ غالب آنے کے لئے تین سو سال کے مقابلہ پر نسبتاً ایک زیادہ لمبا زمانہ مقرر ہونا چاہئے۔ قرآن و حدیث کی طرف جب ہم رہنمائی کے لئے رجوع کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا غلبہ دو ادوار میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ پہلا دور یعنی اسلام کے اولین غلبہ کا دور شان محمدیؐ سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اس وقت تک ممتد ہے جب اسلام کے لئے یہ مقدر تھا کہ اس کے غلبے کی پہلی رو رک کر مائل بہ انحطاط ہو جائے گی اور اسلام کو ایسے خطرناک ایام کا منہ دیکھنا پڑے گا جو دنوں کی نسبت راتوں کے زیادہ مشابہ ہوں اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت اور جلوہ نمائی کے ساتھ پھر فضل عظیم لے کر آئے گا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ پھر اپنی ظلی شان میں آخرین[1] میں مبعوث کرے گا۔ تاکہ آپ کے نقش قدم پر قدم بقدم چلنے والا مہدیؑ دوبارہ ان کے دلوں کو ایمان سے منور کر دے اور اگر ایمان ثریا[2] تک بھی اٹھ چکا ہو تو ثریا سے اتار کر اس کی شمعیں مسلمانوں کے سینوں میں روشن کر دے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ پر یہ انکشاف فرمایا کہ اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے گا۔ تو ایک صحابیؓ کے سوال پر کہ ایسا کب ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب مسیح[3] نازل ہوگا وہ صلیب کو توڑ دے گا۔ خنزیر کو قتل کرے گا اور حکم

نمبر۱۔ سورۃ الجمعہ آیت نمبر۴۔۳، نمبر۲۔ بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ، نمبر۳ ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال ص ۵۹۴۔

اور عدل بن کر (قوموں' مذاہب اور فرقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے) آئے گا۔ مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مکمل غلبہ سے قبل ہی اسلام کا رویہ تنزل ہو جانا کوئی ایسی علامت نہیں جو اسلام کی آخری شکست اور ناکامی کی غمازی کر رہی ہو بلکہ یہ ایک درمیانی کیفیت ہے جس کا غلبہ سے پہلے ظاہر ہونا شروع ہی سے مقدر تھا جس طرح پہلی قوموں پر اونچ نیچ کے حالات آتے رہے لیکن آخری اور قطعی اور اٹل فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو سکے اسی طرح اسلام پر انحطاط کا یہ دور خواہ کیسا ہی ہولناک نظر کیوں نہ آئے۔ آنحضور ﷺ کی چودہ سو سال قبل پیشگوئیوں کے مطابق ایک عارضی کیفیت سے بڑھ کر کوئی اور معنی نہیں رکھتا اس کا دور ہو جانا ایک اٹل تقدیر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ پس پہلے ہی سے یہ خبر دے دی گئی تھی کہ اس وقت جب آخرین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلی بعثت کا وقت آئے گا تو مسلمان کو دوبارہ مسلمان بنایا جائے گا۔ اور عیسائیت پر اسلام کی یورش کا آغاز ایک ایسے فتح نصیب جرنیل کی قیادت میں کیا جائے گا۔ جو مسیحؑ کا نام پا کر جھوٹے صلیبی مذہب کے دلائل کو پارہ پارہ کر دے گا اور مغربی تہذیب کا قلع قمع کرے گا۔ جب ان پیشگوئیوں کی طرف نظر اٹھتی ہے تو دل اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ جب انحطاط کی خبر لفظاً لفظاً اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ پوری ہو گئی۔ تو بلاشبہ ادیان عالم پر ایک عالمی اور کامل غلبہ کی خوشخبری بھی اس کے بعد جلد پوری ہونے والی ہے۔ ایک انگریزی شاعر نے اس مضمون کو ایک مصرعے میں یوں بیان کیا ہے کہ:۔

If winter comes, can spring be far behind.

یعنی اگر خزاں آگئی ہے تو بہار آنے میں بھلا کیا دیر ہو گی۔

پس جس مخبر صادق نے خزاں کے آنے کی خبر دی تھی اس نے بعد میں آنے

والی بہار کی بھی تو خوشخبری دی ہے۔ پھر جیسے خزاں کی خبر پوری ہو گئی ویسے بہار کی بھی خبر بہر حال پوری ہو کر رہے گی۔ ؎

قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

مذکورہ بالا بحث سے اگر قارئین کو یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ عیسائیت کے تین سو سال کے مقابل پر اسلام کو اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اور تمام ادیان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے کتنی مدت درکار ہے لیکن یہ امر تو بخوبی روشن ہو چکا ہو گا کہ اس مدت کا تعلق امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ کے ظہور سے ضرور ہے اور امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ کے ظہور کا واقعہ ایک عظیم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ایک ایسے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو اس موڑ پر نصب ہے جہاں سے رفعتوں سے اتر کر تنزل کی طرف جانے والی ایک راہ نے دفعتاً ایک بلند ہوتی ہوئی شاہراہ میں تبدیل ہو جانا تھا۔ دوسروں کے لئے یعنی ان کے لئے جو مسلمان تو ہیں مگر جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ مدت غیر معین چلتی آ رہی ہے۔ لیکن احمدی جو ایک ایسے دعویدار پر ایمان لے آئے ہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل غلامی میں مہدی زماںؑ اور مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ کیا ان کے لئے یہ مدت واضح طور پر معین ہو کر سامنے آ چکی ہے اور ان کے لئے نزدیک ظہور اسلام کے بعد چودھویں صدی اسلام کے عالمگیر غلبہ کی تیاری کی صدی ہے۔

اصل مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے ایک دفعہ پھر ہم اس سوال کو لیتے ہیں کہ کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر یعنی دنیا کے تمام ادیان غیر پر آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلبہ حاصل نہیں ہوا کیوں اس کے باوجود عذاب الٰہی نے انکار کرنے والی قوموں کو ہلاک کر کے ان کا نشان دنیا سے مٹا نہیں دیا؟۔

اس سوال کے دو حصے ہیں اول یہ اسلام کو کیوں دور اول ہی میں مکمل غلبہ نصیب نہیں ہوا۔ اس کا ایک جواب تو پہلے گذر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی علاقائی یا قومی نبی نہیں تھے بلکہ آپ کا پیغام تمام دنیا کے لئے تھا اور تمام بنی نوع انسان کو دین واحد پر جمع کرنا آپ کا مقصود تھا۔ اس لحاظ سے کامل غلبہ اس وقت مقدر ہو سکتا ہے جب دنیا کے ایک ہاتھ پر جمع ہونے کے ظاہری اسباب بھی مہیا ہو چکے ہوں۔ طلوع اسلام کے وقت ابھی یہ سامان مہیا نہ تھے بلکہ خطہ ارض کا ایک وسیع حصہ جسے ہم نئی دنیا کہتے ہیں ابھی تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ اس وقت اگر بظاہر معلوم دنیا پر کامل غلبہ ہو ہی جاتا تو قریباً آدھی دنیا ایسی پڑی رہ جاتی جو اسلام کے نور سے ناآشنا رہتی۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں مواصلات اور باہمی رابطے کے ایسے ذرائع ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے جن کے نتیجہ میں تمام انسانوں کو ایک عالمی برادری کی صورت میں جمع کیا جا سکتا۔ ان امور کے پیش نظر یقیناً غلبہ آخر کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق فاصلوں کی دوری مٹ جاتی اور پہاڑوں' بیابانوں اور وسیع سمندروں کی قدرتی فصیلیں عملاً اس طرح زائل ہو جاتیں کہ بین الاقوامی روابطہ کی راہ میں حائل نہ ہو سکتیں۔ اس پہلو سے جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بکثرت ایسی پیشگوئیوں کا ذکر پاتے ہیں جس میں انسان کی دور آخر کی ترقیات کا ذکر پایا جاتا ہے کہیں تیز رفتاری سواریوں کا ذکر ملتا ہے کہیں انسانوں کے باہم ایک دوسرے کے ساتھ مل جانے کا تذکرہ ہے کہیں کتب اور رسائل کی بکثرت اشاعت کی پیش گوئی کی گئی ہے جس کے ذریعہ انسان ایک دوسرے کو باسانی خیالات اور نظریات پہنچا سکتا ہے پھر ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ایسے سمندر آپس میں ملا دیئے جائیں گے جن کے درمیان

نزول قرآن کے وقت خشکی کی دیوار حائل تھی۔ ان پیشگوئیوں پر غور کرتے ہوئے انسان طبعاً یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ غلبہ آخر کے وقت سے قبل یہ علامات ظاہر ہو چکی ہوں گی یا اس دور میں تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہوں گی۔ پس جب بھی انسان ان علامات کو ظاہر ہوتے دیکھے طبعاً اسے توقع رکھنی چاہئے کہ اس امام کا ظہور بھی نزدیک ہے جس نے ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب کرنے کی آخری تحریک چلائی تھی۔

سوال کے دوسرے حصے کا تعلق اس بات سے تھا کہ اگر مکمل غلبہ نصیب نہیں ہو سکا تو عذاب الٰہی نے کیوں مخالف قوموں کو نابود نہ کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غلبہ کے دو ادوار مقدر تھے جیسا کہ اوپر کی بحث سے ظاہر ہے تو عذاب الٰہی کے بھی دو ہی ادوار مقدر ہونے چاہئیں تھے ایک دور اول اور ایک دور آخر۔ عقل اس بات کو ایک لحظہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتی کہ آخری غلبہ تو کسی بعد کے زمانے کے لئے ہو لیکن عذاب الٰہی اس زمانہ کا انتظار کئے بغیر قوموں کی صف لپیٹ دے پس اگر غلبہ اس عہد آخر میں مقدر ہے تو عذاب الٰہی کا ایک دور بھی اس آخری زمانہ سے منسلک ہونا چاہئے۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور متعدد آیات اس طرف دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر آخری حجت پوری کرنے کے لئے بہت سے نشانات اور عذاب مقدر ہیں جن میں سے بعض کا تعلق آگ سے ہے اور بعض زلزلوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض اپنی وسعت اور قوت میں ایسے عظیم الشان ہوں گے جو پہاڑوں کی طرح بڑی بڑی عظیم الشان اور قوی ہیکل قوموں کو آن واحد میں ملیا میٹ کر دیں گے اور ان کی عظمتیں خاک میں مل جائیں گی۔ یہاں تک کہ یا تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہوں گے یا عملاً اس دنیا سے نابود کر دیئے جائیں گے۔ غرضیکہ وہ رو کیں جو ان

کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت سے محروم رکھے ہوئے تھیں وہ راہ سے ہٹ جائیں گی۔ سورہ طٰہٰ میں اس نوعیت کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان قوموں کو تمثیلی زبان میں پہاڑ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ○ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ○ لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا ○ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ○

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۰۶ تا ۱۰۹)

ترجمہ: وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ میرا رب ان کو اکھاڑ کر پھینک دے گا اور ان کو ایک ایسے چٹیل میدان کی صورت میں چھوڑ دے گا کہ نہ تو تو اس میں کوئی موڑ دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی۔ اس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے جس کی تعلیم میں کوئی کجی نہ ہوگی اور رحمن (خدا کی آواز) کے مقابلہ میں (انسانوں کی) آوازیں دب جائیں گی پس تو سوائے کھسر پھسر کے کچھ نہ سنے گا۔

اس آیت کے مضمون کا تعلق قیامت کبریٰ اور اخروی دنیا کے واقعات سے نہیں بلکہ اسی دنیا کے واقعات سے ہے اگر یہ مراد لی جائے کہ پہاڑوں کا مٹایا جانا اس وقت ہوگا جب کہ ظاہری قیامت آئے گی اور دنیا کی ہر چیز صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے گی تو یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ کے کوئی معنی نہیں بنتے کیونکہ اس دن اہل دنیا ایسے بلانے والے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرنی شروع کر دیں گے۔ جس کے

کردار میں اور جس کی تعلیم میں کوئی کجی نہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جس وقت ظاہری پہاڑ اڑائے جا رہے ہوں گے اور ظاہری زمین چٹیل بنائی جا رہی ہو گی۔ اس وقت بھلا انسان کس شمار میں ہو گا کہ وہ اس قیامت کے دوران نہ صرف زندہ رہے بلکہ روز مرہ کے معمول کے مطابق اپنے سیاہ و سفید کا مالک ہو اور جس دین کو چاہے رد کر دے اور جس دین کو چاہے اختیار کرے۔ پس یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ کے مضمون نے واضح کر دیا کہ جن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کیا جانا تھا وہ کوئی ظاہری پہاڑ نہیں بلکہ اسلام کی راہ میں حائل وہ عظیم قومیں ہیں جو پہاڑوں کی طرح قوی ہیکل اور مستحکم نظر آئیں گی اور اسلام کی راہ روکے کھڑی ہوں گی۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی پہاڑوں کا ذکر تمثیل کے طور پر آتا ہے لیکن یہاں اس کی تفصیلی بحث کا موقعہ نہیں۔ بہرحال ایک بات تو واضح ہے کہ جن پہاڑوں کے ملیا میٹ کئے جانے کا ذکر ہے ان کے ساتھ اشاعت اسلام کا براہ راست تعلق ہے اس وقت عالم اسلام زبان حال سے یہ سوال کر رہا ہو گا کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا اور کیسے اسلام ان عظیم قوموں پر غالب آئے گا جو اپنی کثرت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں پر غالب ہیں۔ سازو سامان اور شوکت کے لحاظ سے بھی' دولت کے لحاظ سے بھی اور علمی اور سیاسی برتری کے لحاظ سے بھی۔ پس آج جب کہ ہر حال میں مسلمان ان کا دست نگر ہو چکا ہے یہاں تک کہ ان کی گندی اور کرم خوردہ تہذیب کو بھی اپنائے چلا جا رہا ہے تو کیسے اسلام اور اسلامی اقدار ان عظیم قوتوں پر غالب آئیں گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اے میرے رسول تو ان سے کہدے کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں جیسی سربلند اور مغرور قوموں کو خاک میں ملا دے گا اور ان کی تکبر کی گردنیں توڑے گا۔ وہ ریزہ ریزہ کر کے چٹیل میدان کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دی جائیں گی۔ تب عاجزی اور انکساری کے اس مقام

پر اتر آنے کے بعد وہ اس لائق ہونگی کہ تیری پیروی کریں۔ یعنی تیری اس تعلیم کی پیروی کریں جس میں کوئی خم اور کج نہیں۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر جن کا پہلے بھی ذکر گذر چکا ہے ایسے عذابوں کا اشارہ ملتا ہے جن کا دور آخر سے تعلق ہے لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب چودہ سو سال کے عرصے میں جب دنیا ان چیزوں کو بھلا بیٹھی اور صدیوں پہلے کی تنبیہات نقش کالعدم کی طرح انسانی ذہنوں سے مٹ چکی ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کا عذاب بغیر کسی تنبیہ نو کے زمانے کو آ پکڑے گا؟ اس سوال کا جواب بھی عملاً اوپر گذر چکا ہے اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ عذاب الٰہی کے نئے دور سے پہلے اس امام کا ظہور مقدر تھا جس نے از سر نو دنیا کو آنے والے کڑے وقت سے خبردار کر دیا تھا۔

یہ خبر کس طرح دی اور آنے والے عذاب کی کیا تفاصیل بیان کیں اور کس حد تک یہ خبریں پوری ہو چکی ہیں اور کس حد تک پورا ہونا ابھی باقی ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جس پر ہم آئندہ قسط میں بحث کریں گے۔

جماعت احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کے موجودہ بے پناہ مصائب اور تکالیف کا یہ نہ ختم ہوتا ہوا سلسلہ کوئی عام روز مرہ کے واقعات کی زنجیر نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے ہی سے ان امور کے متعلق باخبر کر دیا تھا اور بڑی واضح اور بین پیشگوئیوں کے ذریعے اہل دنیا کو متنبہ کر دیا تھا کہ اسلام کے غلبہ نو کا دور شروع ہو چکا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امن بخش تعلیم کے سامنے دنیا نے سر تسلیم خم نہ کیا تو اللہ تعالیٰ پے در پے عذابوں سے اس دنیا کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کرے گا۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور ختم نہ ہوگا جب تک کہ اسلام کو آخری اور قطعی عالمگیر غلبہ نصیب نہ ہو جائے۔

آیئے ہم اس مضمون کے مختلف حصوں کا جائزہ لیں کہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اپنے مشن کو کس طرح پورا فرمایا اور اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مشن پر مامور تھے۔

عذاب الٰہی کی جو قسمیں قرآن کریم کی بیان کردہ مذہبی تعلیم کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں ان کے ذکر کے وقت یہ امر نظرانداز ہو گیا تھا کہ انبیاء کی بعثت کے بغیر بھی بعض اوقات طبعی حوادث کو عذاب کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا ہے جب کوئی قوم اپنے اعمال اور اخلاق میں حد سے زیادہ گندی ہو چکی ہو۔ چنانچہ ایسے دور میں بھی مشیت الٰہی کے مطابق بعض اوقات حوادث بڑی شدت کے ساتھ ہجوم کرکے حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اس طرح حوادث کو مشیت کے مطابق قومی سزا کے طور پر مسخر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم عذاب کی اس نوع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا (سورۃ الکہف آیت ۶۰)

ترجمہ۔ اور وہ بستیاں جن کو ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا ہے ان کے لئے موجب عبرت ہو سکتی تھیں۔ اور ہم نے ان کو ہلاکت کے لئے پہلے سے ایک معیاد مقرر کر دی تھی تا وہ چاہیں تو توبہ کر لیں۔

وہ عذاب جو محض بداعمالیوں کی وجہ سے سزا کے طور پر وارد کیا جاتا ہے اس کے لئے اگرچہ عمومی انتباہ آسمانی صحیفوں میں موجود ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس عذاب سے معاً پہلے کوئی پیشگوئی کی جائے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ عذاب کسی مذہب کے غلبہ پر منتج ہو۔

اس ضمنی بیان کے بعد ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بعض ایسی پیشگوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو اس زمانے کے انسان کو آنے والے آسمانی

عذابوں سے متنبہ کرتی ہیں۔

طاعون طاعون بھی بہت سی دوسری بیماریوں کی طرح ایک بیماری ہے جو طبعی محرکات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی اور مٹتی رہتی ہے لیکن کبھی یہ عذاب الٰہی کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اسی طرح ہوا لیکن پیشتر اس کے کہ آپ کی اس عظیم الشان پیشگوئی اور اس کے اثرات پر تفصیلی نظر ڈالی جائے بہتر ہوگا کہ تاریخی پس منظر میں طاعون کی پراسرار بیماری کا کچھ جائزہ لیا جائے۔

طاعون کوئی ایسی بیماری نہیں جو عام وبائی بیماریوں کی طرح روزمرہ مختلف موسموں میں سر نکالتی رہے جیسے ملیریا یا انفلوئنزا گرمیوں میں یا سردیوں میں عموماً کسی نہ کسی شکل میں نظر آہی جاتے ہیں۔ طاعون کوئی سالانہ موسمی بیماری نہیں مگر محض یہی کہنے سے بات مکمل نہیں ہوتی۔ یہ کوئی ایسی بیماری بھی نہیں جو دو چار یا دس بیس سال کے بعد وبا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہو جیسے چیچک وغیرہ متعدی امراض عموماً آٹھ دس یا بیس سال کا وقفہ دے کر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ طاعون ایسی تمام امراض سے اتنی مختلف ہے کہ آپس میں گویا انہیں کوئی نسبت نہیں یہ ایک ایسی پراسرار بیماری ہے جو ایک دفعہ تباہ کاری مچانے کے بعد جب دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو بعض اوقات سینکڑوں سال تک منہ نہیں دکھاتی اور اور بعض اوقات طاعون کی دو وباؤں کا درمیانی عرصہ ہزار برس سے بھی بڑھ جاتا ہے اس لئے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام وبائی امراض میں سب سے زیادہ غیر معمولی بیماری طاعون ہے اور اس امر کے زیادہ قریب ہے کہ غیر معمولی عذاب الٰہی کا مظہر بنے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور تاریخ کی کتب میں طاعون کے بڑے پیمانے پر ظاہر ہونے کے جو واقعات محفوظ کئے گئے ہیں ان کی رو سے طاعون کی ایک بڑی وبا

حضرت مسیح کے واقعہ صلیب سے گیارہ سو سال پہلے فلسطین میں ظاہر ہوئی تھی اور اس نے ایک وسیع علاقہ میں بڑے پیمانے پر تباہی مچائی تھی۔ طاعون کا یہ خطرناک حملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد تیسری صدی موسوی میں ہوا۔ لہٰذا یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ یہود کے بگڑنے کے بعد بنی اسرائیل کے علاقوں میں طاعون کا پھوٹنا ایک سزا کا رنگ رکھتا ہو اور ان معنوں میں اسے عذاب الٰہی قرار دیا جائے۔

اس کے بعد پہلی مرتبہ ایک ہولناک وباء کی صورت میں یہ پہلی صدی عیسوی میں فلسطین اور اس کے گردو پیش کے علاقوں میں ظاہر ہوئی جو بالعموم یہود کا مسکن تھے۔ طاعون کا دوسرا حملہ دوسری صدی عیسوی میں ہوا جو پہلے کی نسبت زیادہ وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور شام مصر اور لیبیا کے شمالی حصے بھی شدتِ طاعون سے متاثر ہوئے۔ تیسری مرتبہ پھر طاعون کم و بیش ایک سو سال کے بعد تیسری صدی عیسوی میں ظاہر ہوئی اور اس مرتبہ اس کا پھیلاؤ پہلے سے بھی بڑھ کر تھا۔

طاعون کا اس طرح پے در پے کم و بیش ایک ایک سو سال کے وقفے سے ظاہر ہونا جبکہ پہلے بارہ سو سال تک اس کا کوئی وجود نہیں ملتا بہت معنی خیز ہے اور ہرگز بعید نہیں کہ ایک ایک سو سال کے مختصر وقفے میں بار بار پھوٹنا یعنی عیسائیت کی پہلی تین صدیوں میں سے ہر صدی میں اس کا ظاہر ہونا خاص مشیت الٰہی کے ماتحت ہو۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تینوں مرتبہ طاعون کا حملہ عیسایت کے پھیلاؤ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے تو مزید ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ طاعون کی وباء عذاب الٰہی کی حیثیت رکھتی تھی اور ان قوموں کے لئے سزا کے طور پر وارد ہوئی تھی جنہوں نے عیسائیت پر ہولناک مظالم توڑے۔ پہلی صدی میں طاعون کا حملہ فلسطین پر ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور ان کے صحابہ پر توڑے جانے والے انتہائی سنگین اور دردناک مظالم کی پہلی آماجگاہ تھا۔ دوسرا حملہ عیسائیت کے پھیلاؤ کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے ان مشرقی ممالک میں ہوا یعنی شام، فلسطین اور مصر جہاں بنی اسرائیل بکثرت پائے جاتے تھے اور جو اولین طور پر عیسائیوں پر ظلم کرنے میں پیش پیش تھے۔ تیسرا حملہ اس وقت ہوا جب تیسری صدی میں سلطنت روما کے یورپین حصہ میں بھی عیسائیت پر مظالم توڑے جانے لگے۔ اس حملے میں سلطنت روما کے یورپین ممالک خاص طور پر متاثر ہوئے اور عام طور پر یہ کہا جانے لگا یہ عیسائیوں کی نحوست ہے جس کی وجہ سے طاعون پھوٹی ہے یہ ویسا ہی الزام ہے جیسے قرآن کریم کے بیان کے مطابق اصحاب قریہ نے اپنی طرف مبعوث ہونے والے رسولوں پر لگایا اور کہا کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں لیکن ان رسولوں نے یہ جواب دیا کہ طَائِرُكُمْ مَّعَكُمْ ہرگز نہیں بلکہ تم تو اپنی نحوست خود اپنے ساتھ لئے پھرتے ہو۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت پر ظلم کرنے والے ظالم جہاں جہاں بھی ظلم کی نحوستیں ساتھ لے کر گئے وہیں وہیں طاعون نے ان کا تعاقب کیا اور عبرتناک سزا دی۔

عذاب الٰہی سے دوسری مماثلت ان تینوں وباؤں میں یہ نظر آتی ہے کہ باوجود اس کے کہ عیسائی کمزور اور غریب تھے اور جیسا کہ گزر چکا ہے بسا اوقات اندھیری غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ لہٰذا اگر عام حوادث زمانہ کی نوعیت کی کوئی چیز ہوتی اور الٰہی تصرف نہ ہوتا تو سب سے پہلے سب سے زیادہ کمزور اور غریبانہ زندگی بسر کرنے والے اور تاریک غاروں میں بسنے والے عیسائیوں کو اس مرض کا شکار ہونا چاہئے تھا لیکن یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ طاعون کے یہ حملے ہر بار عیسائیت کو پہلے سے قوی تر حالت میں چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ ۷۵-۲۷۰ میں یعنی تیسری صدی کے آخر پر طاعون کا جو

تیسرا حملہ ہوا اس نے آخری مرتبہ عیسائیت کو کمزور حالت میں دیکھا۔ چوتھی صدی عیسائیت کے غلبہ کی صدی ہے جس کے ظاہر ہوتے ہی طاعون جس پراسرار طریق پر ظاہر ہوئی تھی اسی پراسرار طریق پر غائب ہوگئی یہاں تک کہ پھر پورے تین سو سال تک کہیں نظر نہ آئی۔ چھٹی صدی عیسوی کلیسا کے اخلاقی لحاظ سے تباہ و برباد ہونے کی صدی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ تمام عیسائی دنیا میں فسق و فجور پھیل چکا تھا اور وہ جو کبھی مظلوم تھے سخت ظالم اور سفاک ہو چکے تھے۔ تب وہی طاعون جو کبھی ان کے ادنیٰ خادم کی حیثیت سے ان کی تائید میں ظاہر ہوا کرتی تھی اس مرتبہ انہیں سزا دینے کے لئے آئی۔ اور قابل غور امر یہ ہے کہ طاعون کا یہ حملہ اپنی وسعت میں کم و بیش ساری عیسائی دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ عیسائی لوگ اب تائید الٰہی سے محروم ہوگئے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت بہت معنی خیز اور مسلمان کے لئے ایمان افروز ہے کہ طاعون کا یہ حملہ بعینہٖ اس زمانہ میں ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب میں ولادت ہوئی۔ طاعون کے اس حملے نے پچاس سال تک یعنی کم و بیش ظہور نبوت تک عیسائی دنیا کا پیچھا نہیں چھوڑا گویا کہ وہ زبان حال سے یہ اعلان کر رہی تھی کہ اب تم الٰہی نصرت کے حقدار نہیں رہے۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ طاعون کی یہ وباء بھی ایک غیر معمولی عذاب کی حیثیت رکھتی تھی جو سزا کے طور پر عیسائی دنیا پر نازل ہوئی محض ایک خوش اعتقادی نہیں بلکہ عین قرین قیاس ہے اور واقعات کی انگلی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ اس طاعون کی ایک تعجب انگیز حرکت یہ تھی کہ اس نے شام اور فلسطین کو تو خوب اپنی لپیٹ میں لیا اور وہاں سے نکل کر مصر میں جا پہنچی اور پھر سمندر پار یورپ کے مختلف ممالک میں تہلکہ مچا دیا لیکن سرزمین حجاز کا رخ نہیں کیا گویا اس کے سامنے ایک سد سکندری کھڑی تھی حالانکہ عام اصول کے مطابق

مکہ جو شام سے جنوب کی طرف جانے والی قدیم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا تجارتی قافلوں کے ذریعے وہاں تک اس کے اثرات پہنچنے زیادہ قریب قیاس تھے مگر یہ متعدی مرض کسی خاص قدرت الٰہی کے تحت مسخر ہو کر محض عیسائی دنیا تک محدود رہی۔

اس کے بعد طاعون آٹھ سو سال تک اس دنیا سے غائب رہی اور پھر اس نے ۱۳۷۰ء میں ظاہر ہو کر ۱۳۷۵ء تک دنیا کے ایک وسیع تر خطے میں جولانی دکھائی۔ یہ وہ دور ہے کہ ایک طرف اسلامی دنیا شدید اخلاقی انحطاط کا شکار ہو چکی تھی تو دوسری طرف عیسائی دنیا میں بھی حد سے زیادہ فسق و فجور پھیل چکا تھا۔ اس زمانہ کے کلیسیا کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ Monastries یعنی راہب خانے جہالت اور اوباشی کا اڈہ بنے ہوئے تھے اور ظلم اور سفاکی کا یہ عالم تھا کہ مذہبی اختلافات کی بناء پر کلیسیا کی اجازت ہی سے نہیں بلکہ کلیسیا کے ایماء اور حکم پر بے دریغ ہزاروں انسانوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ عیسائیت پر پہلے تین سو سال میں اجتماعی طور پر اتنے ظلم نہ ہوئے ہوں گے جتنے عیسائیت نے اپنی تاریکی کی صدیوں میں سے ہر صدی میں غیروں اور اپنوں پر توڑے۔ طاعون کا اس زمانہ میں اس علاقہ میں پھوٹنا اور اس شدت سے پھوٹنا ان واقعات کو دیکھتے ہوئے ہرگز تعجب انگیز نہیں رہتا۔ اہل یورپ کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ خود عیسائی مورخین کے بیان کے مطابق بعض شہروں میں ہزارہا یہود کو محض اس لئے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ ان پر یہ الزام تھا کہ طاعون ان کی وجہ سے پھوٹی۔ چنانچہ مشہور مورخ ایچ۔ اے۔ ایل فشر اس دور کی جہالت اور سفاکی کی ایک مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے :-

Among the moral results of this disaster the most shameful was a series of attacks upon the Jewish

population, who at Mainze and other German - speaking Towns were burned in their hundreds and thousands by an infuriated mob in the belief that the plague was a malignant device of the semitic race for the confusion of the Catholic Creed"

(A History of Europe by H. A. L Fisher p 319)

ترجمہ۔ اس آفت کے اخلاقی نتائج میں سے سب سے زیادہ قابل شرم یہ تھا کہ اس کے نتیجے میں یہود آبادیوں پر مینز اور بعض دوسرے جرمن بولنے والے قصبات میں حملوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سینکڑوں' ہزاروں یہودیوں کو محض اس توہم کے نتیجہ میں نذر آتش کیا جاتا کہ کیتھولک کلیسیا میں بداعتقادی پیدا کرنے کے لئے طاعون کی وباء یہودی نسل کے ماتھوں میں ایک ہولناک آلہ کار کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہرحال عیسائی دنیا کا یہ دور ایک انتہائی کریہہ المنظر دور ہے۔ پس اگر ظلم و ستم کا کوئی دور بھی عذاب الٰہی کو دعوت دے سکتا ہے تو بلاشبہ یہ وہ دور ہے جو پکار پکار کر عذاب الٰہی کو دعوت دے رہا تھا۔ اگر ہمارا یہ نظریہ درست ہے کہ ظلم و ستم کا اولین ذمہ دار کلیسیا تھا تو طبعی طور پر ہمیں یہ بھی توقع رکھنی چاہئے کہ طاعون کا اولین شکار بھی اہل کلیسیا کو ہی ہونا چاہئے۔ جب ہم تاریخ پر اس پہلو سے نظر ڈالتے ہیں تو بعینہ وہی منظر نظر آتا ہے۔ سب شہروں اور بستیوں اور مقامات سے بڑھ کر طاعون کو اپنے حملوں کے لئے اگر کوئی جگہ مرغوب تھی تو وہ عیسائی راہب خانے ہی تھے۔ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے ایچ۔ اے۔ اہل فشر اپنی مشہور تاریخ یورپ میں رقم طراز ہے۔

"Rather it would be true to say that the sudden destructions of life (which was specially evident in the monastries) had sat in motion a series of small shiftings, which, in their acamulated and accumulating affects, amounted to a revolution"

(A History of Europe by H. A. L Fisher (p 320)

ترجمہ۔ غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ زندگی کی اچانک بیخ کنی نے (جو بالخصوص عیسائی راہب خانوں میں نمایاں طور پر نظر آتی تھی) ایک ایسا محرکات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جس نے مجموعی حیثیت سے وہ نتائج پیدا کئے جنہیں انقلاب کا نام دیا جا سکتا ہے۔

طاعون نے نہ صرف اپنی تباہ کاری کے وقت monastries (راہب خانوں) کو بالخصوص شکار بنایا بلکہ اس کے بعد کے اثرات بھی کلیسیا کے لئے بڑے مہلک ثابت ہوئے اور کلیسیا کی طاقت کو توڑنے اور ایک نئی طرز فکر پیدا کرنے میں اس طاعون نے ایک اہم کردار ادا کیا کلیسیا کی طاقت کو توڑنے اور ایک نئی طرز فکر پیدا کرنے میں اس طاعون نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ کلیسیا پر اس کے براہ راست اثر کا ذکر کرتے ہوئے یہی مورخ انگلستان کی مثال پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

"In the monastries a marked decline in literary activity and discipline: in the impoverished country parishes empty rectories and absentee priests"

(A History of Europe by H.A.L. Fisher, p-320)

ترجمہ۔ اس طاعون نے حسب ذیل مذہبی نتیجہ پیدا کیا کہ مذہبی

اداروں اور راہب خانوں میں اسی طاعون کے نتیجے میں علمی دلچسپیوں اور نظم و ضبط میں غیر معمولی کمی واقع ہو گی اور غریب دیہاتی کلیسیاؤں میں اس کا یہ اثر پڑا کہ کہیں تو منتظم پادری ہی موجود نہ تھے اور کہیں پادری مقرر تو تھے مگر اکثر غیر حاضر رہنے والے۔

یہ طاعون ایک اور پہلو سے بھی دلچسپ مطالعہ کا مواد پیش کرتی ہے کہ اس کا دائرہ عمل اس مرتبہ صرف عیسائی دنیا تک محدود نہیں رہا بلکہ اسلامی دنیا کو بھی اس نے اپنی لپیٹ میں لیا۔ مسلمانوں کے حالات پر اگر غور کریں تو وہاں بھی بعینہ وہی شکل نظر آتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے چھ سو سال بعد عیسائی دنیا کی تھی۔ اسی طرح عیسائیت تین صدیوں تک بالعموم نیکی کی راہ پر چلتے ہوئے بالآخر اپنے غلبے کے دور میں راستے سے بھٹک کر ظلم و تعدی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ اور دوسرے تین سو سال عیسائیت کی روحانی تباہی اور ہلاکت کے سال شمار کئے جا سکتے ہیں جن کے بعد طاعون نے ان کی تائید کی بجائے ان کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اس سے ملتا جلتا ایک منظر ہمیں اسلامی دنیا میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تین سو سال کا زمانہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق نور اور ہدایت کا ایسا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں نیکی بہرحال بدی پر غالب رہی اور اعتقادی اور سیاسی اختلافات کے باوجود عالم اسلام کی اکثریت اپنی اکثر صفات اور خصال میں نیکی کا مظہر تھی۔ پھر وہ دور شروع ہوا جس کو فیج اعوج کا نام دیا جاتا ہے اور اگلے تین سو سال خصوصیت کے ساتھ تاریکی کو بڑھانے کا موجب بنے۔ خلافت جو پہلے ہی بادشاہت میں تبدیل ہو چکی تھی تقویٰ سے دور تر ہوتی چلی گئی۔ فرقہ بندی اور اختلافات نے اسلامی نظریات

کے ہر شعبہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ قصور شاہی عیش و عشرت کا مرکز بن گئے اور عوامی بستیوں کو بھی فسق و فجور اور ظلم و تعدی نے گھیر لیا۔ دنیاداری بڑھنے لگی اور روحانیت مفقود ہونے لگی ایسے علمائے ظاہر پیدا ہونے شروع ہوئے جو تقویٰ کا لباس پہننے کی بجائے ریا کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے غرضیکہ وہ ہزار سالہ رات جس نے پہلی تین صدیوں کے بعد اسلامی دنیا پر چھا جانا تھا وہ بلاشبہ مذکورہ تین سو سال کے عرصہ میں پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ اسلام کی پہلی تین صدیوں کے اختتام پر جہاں ہمیں روحانی آفات شدت سے سر اٹھاتی نظر آتی ہے وہاں سیاسی لحاظ سے بھی ایسے محرکات پیدا ہو رہے تھے جو بالآخر مسلمانوں کی سیاسی قوت کو سبوتاژ کرنے کا موجب بنے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر پر ہمیں یہ انتہائی الم انگیز اور ہولناک صورت حال نظر آتی ہے کہ پوپ مرکزی اسلامی خلافت سے مسلمانوں کی ہسپانوی حکومت کے خلاف سازش کر رہا تھا[1] جس کے نتیجہ میں بالآخر مسلمانوں کی مرکزی حکومت اس امر پر آمادہ ہو گئی کہ ہسپانیہ کی اسلامی مملکت کے خلاف وہ یورپ کی عیسائی طاقتوں کے ساتھ تعاون کرے گی۔ عالم اسلام کے عظیم الشان قلعہ میں یہ پہلا رخنہ ہے جو بالآخر اس قلعہ کے مسمار ہونے پر منتج ہوا۔ بعد کے تین سو سال نے اس سیاسی انحطاط کو بڑی سرعت اور شدت کے ساتھ بڑھایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چودھویں صدی عیسوی میں اسلامی سلطنت کے دونوں بازو یعنی شرقی اور غربی عملاً مفلوج ہو چکے تھے اور ایک طرف مغرب کی عیسائی طاقتیں پیہم جذبات سے سپین کی اسلامی مملکت کو کمزور کر رہی تھی اور یورپ سے مسلمانوں کو نکالنے کا منصوبہ عملاً بروئے کار لا رہی تھی تو دوسری طرف مشرقی چنگیزیوں کا ہولناک عذاب صحرائے گوبی میں اس طرح پرورش پا رہا تھا جیسے ٹڈی دل کا لشکر سرسبز و شاداب

نمبر۱۔ تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم سورۃ البقرۃ

دنیا کی نظروں سے اوجھل ریگستانوں میں ایک عظیم یورش کی تیاری کر رہا ہو۔ چھٹی صدی ہجری میں ہمیں پہلی مرتبہ یہ المناک منظر دکھائی دیتا ہے کہ یورپ کے شمال میں اثر و نفوذ بڑھنے کی بجائے مسلمانوں کو سسلی اور کریٹ سے نکال کر افریقی ساحل کی طرف دھکیل دیا گیا۔ مسلمانوں کو بزور شمشیر نکالنے کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہا جب تک بالآخر اس واقعہ کے قریباً ایک سو سال بعد سپین میں مسلمانوں کے آخری قلعہ غرناطہ کو بھی عیسائیوں نے بزور شمشیر فتح کر لیا اور کلیتہ ہسپانیہ کی سرزمین سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا۔ اسی طرح چھٹی صدی بھی مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دردناک صدی ہے جب چنگیزیوں کے انبوہ کثیر غول بیابانی کی طرح ناگاہ مسلمانوں کی مشرقی سلطنت پر ٹوٹ پڑے اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بڑی بڑی بلند عمارتیں پیوند خاک ہو گئیں لیکن اس حقیقت کی یادگار کے طور پر کہ یہاں کبھی انسان بستے تھے بغداد کی زمین پر انسانی کھوپڑیوں کا ایک بلند مینار تعمیر کیا گیا۔ پس کسی پہلو سے بھی دیکھیں تو چوتھی صدی ہجری اگر تاریکی کے آغاز کا اعلان تھا تو چھٹی صدی ہجری اس وقت تک ختم نہ ہوئی جب تک اسلام کے افق پر بڑے جلی الفاظ میں یہ کتبہ آویزاں نہ کر گئی کہ ہر قسم کی تاریکی نے عالم اسلام کو گھیر لیا ہے اور آج کے بعد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی فجر طلوع ہونے تک یہاں رات کی راجدھانی ہوگی۔ ان حالات کو دیکھ کر ہرگز تعجب کی جا نہیں کہ طاعون نے بھی اسلامی مملکت کی زیارت کے لئے یہی دور چنا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے عیسائیوں کو راستے سے بھٹکنے کی سزا دینے کے لئے چھٹی صدی عیسوی میں طاعون کا وبال آیا تھا' مسلمانوں کو بھی حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے روگردانی کی سزا دینے کے لئے تقدیر الٰہی نے اسی جلاد کو ایک مرتبہ پھر مقرر کیا۔ یقیناً اگر عیسیٰؑ کا دامن چھوڑنا کسی سزا کا طلبگار تھا تو حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن چھوڑنے کا قصور اس سے بہت بڑی سزا کا متقاضی تھا۔ ایسا ہی ہوا اور ایک ایسی خوفناک رات عالم اسلام پر طاری ہو گئی جس کے اندھیروں کے نیچے ہر دولت لوٹی گئی اور ہر اثاثہ چھن گیا۔ نہ سیاست رہی' نہ علم' نہ تہذیب' نہ تمدن۔ حکومتیں پارہ پارہ ہو گئیں۔ رعب جاتا رہا۔ اخلاقی برتری ہاتھ سے نکل گئی۔ علمی تفوق علمی دیوالیہ پن میں تبدیل ہو گیا رخ ایسا پلٹا کہ وہ راہیں جو حصول علم کے لئے مغرب سے مشرق کو جا رہی تھیں مشرق سے سمت مغرب کو چلنے لگیں۔ معطی سائل بن گئے اور فیض رساں فیض کی بھیک مانگنے لگے۔ تاریخ کے اس دور کا مطالعہ کرنے سے توحید کا ایک بڑا تیتی سبق ملتا ہے یہ کہ انسان خواہ کسی کی طرف منسوب ہو اپنے خالق کی نظر میں اس حد تک برابر ہے کہ اگر اس نے ایک مذہب کے دائرے میں غلطی کی ہو اور اس غلطی کی سزا پائی ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دائرے میں رہ کر اگر ویسی ہی غلطی کرے گا تو ویسی ہی سزا پائے گا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا ایک یہ بھی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ محض اس لئے کہ کوئی انسان کسی برتر رسول کے نام لیواؤں میں سے ہے اس کی بے راہ روی معاف نہیں کی جائے گی۔ ہمارا یہ کہنا کہ چھٹی صدی ہجری سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو تنبیہ و توبیخ کا دور شروع ہوتا ہے محض ایک خیال نہیں بلکہ اولیاء اللہ کے تذکرے میں یہ مشہور روایت ہے جو ہمارے اس نظریے کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ جب بغداد پر چنگیزیوں کا لشکر حملہ آور ہوا تو خلیفہ معتصم نے ایک بزرگ کی خدمت میں بصد عجز و منت دعا کی درخواست کی۔ دوسرے روز اس بزرگ کا یہ پیغام اس خلیفہ کو پہنچا کہ ساری رات میں دعا کرتا رہا لیکن مجھے جواب میں یہ الہام ہوتا رہا یَآ اَیُّهَا الْكُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ کہ اے کافرو! فاجروں (یعنی بداعمال مسلمانوں) کو قتل کرو۔ پس اللہ تعالیٰ کی تقدیر

یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان اس سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

طاعون کا دور آخر

چودھویں صدی عیسوی میں ایک عالمگیر تباہی مچانے کے بعد طاعون ایک دفعہ پھر نظروں سے غائب ہو گئی اور کچھ اس طرح غائب ہوئی کہ گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اس مرتبہ اس نے چھ صدیوں تک پھر دنیا کا منہ نہ دیکھا اور تہہ زمین سوراخوں میں روپوش رہی' بعد ازاں اسی طرح جیسے اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بعد چودھویں صدی میں سر نکالا تھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تیرھویں صدی کے آخر میں طاعون کی مرض ایک دفعہ پھر اپنے بلوں سے باہر نکلنا شروع ہوئی اور چودھویں صدی میں پورے عروج پر پہنچ گئی۔ بظاہر یہ سب اتفاقی حادثات ہیں۔ جنہیں سائنسی اصطلاح میں (Great Circles) یعنی وسیع دائرے کہا جائے گا۔ لیکن اہل ایمان کے لئے یقیناً اس امر میں فکر کا بڑا مواد ہے کہ یہ وسیع دائرے نیکی اور بدی' ظہور رسالت اور انکار رسالت' نور اور ظلمت' مظلومیت اور ظلم کے وسیع دائروں کے ساتھ حیرت انگیز طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ ایک بدمذہب جو چاہے سوچے اور ہمارے اس طرز فکر کو جس طرح چاہے توہمات اور ضعیف الاعتقادی قرار دے لیکن جوں جوں یہ بات آگے بڑھے گی ہمارے مضمون کا دوسرا حصہ جو طاعون کے دور آخر سے تعلق رکھتا ہے بعض ایسے تازہ مشاہدات پر بحث کرے گا جو ایک منصف مزاج کو اس بات کا قائل کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ بات حوادث کے دائرے سے بہت آگے نکل چکی ہے اور یقیناً حوادث زمانہ کی بجائے کوئی اور قانون اس وباء کے پس پردہ کارفرما نظر آتا ہے۔

طاعون کے جس دور آخر کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کا پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ میں میسوپوٹیمیا کے علاقے سے آغاز ہوا۔ یہ بعینہٖ وہی دور ہے جبکہ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام ہندوستان کی ایک گمنام بستی قادیان میں اسلام کی حمایت میں ایک عظیم دفاعی جنگ لڑ رہے تھے آپ کو زمانے کے امام کی حیثیت سے ماموریت کی خلعت پہنائی جا رہی تھی۔ ظہور طاعون کا اس زمانے سے انطباق یقیناً معنی خیز ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو واضح طور پر یہ خبر نہ دی کہ طاعون عذاب الٰہی کی شکل اختیار کرنے والی ہے۔ اس وقت تک طاعون کو کھل کھیلنے کی توفیق عطا نہ ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی ہولناک درندے کو مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہو' اسے ہم غیظ و غضب میں بل کھاتے ہوئے دیکھ رہے ہوں اور اس کی چنگھاڑ بھی سن رہے ہوں۔ لیکن ابھی اس کی زنجیریں کھولی نہ گئی ہوں۔

۱۸۹۷ء میں پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ قادیان میں طاعون داخل ہو گئی ہے۔ اس وقت تک اگرچہ گذشتہ سترہ سال میں کئی مرتبہ طاعون کا متفرق حملے ہندوستان کے بعض جنوب اور جنوب مغربی علاقوں پر ہو چکے تھے لیکن پنجاب ان کے اثر سے محفوظ تھا۔ اس واضح خبر کے باوجود آپ نے بعض وجوہ سے قادیان میں طاعون کے ظاہر ہونے کی اور تعبیر فرمائی اور خیال کیا کہ شائد اس سے مراد خارش کی قسم کی کوئی بیماری ہو[1] اس کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ آپ کو طاعون کے پنجاب میں شدت پھیل جانے کی خبر دی جس سے آپ اس حد تک متاثر ہوئے کہ آپ نے اشتہار کے ذریعے ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء کو پنجاب کو خصوصاً اور تمام ہندوستان کو عموماً حسب ذیل الفاظ میں اس خبر سے متنبہ کیا۔

نمبرا۔ الحکم جلد نمبرا نمبر۵' ۲۳۔ نومبر ۱۸۹۷ء

"ہماری گورنمنٹ محسنہ نے کمال ہمدردی سے تدبیریں کیں اور اپنی رعایا پر نظر شفقت کرکے لکھو کھا روپیہ کا خرچ اپنے ذمہ ڈال لیا اور قواعد طبیہ کے لحاظ سے جہاں تک ممکن تھا ہدایتیں شائع کیں مگر اس مرض مہلک سے اب تک بکلی امن حاصل نہیں ہوا بلکہ بمبئی میں ترقی پر ہے اور کچھ شک نہیں کہ ملک پنجاب بھی خطرہ میں ہے ہر ایک کو چاہئے کہ اس وقت اپنی اپنی سمجھ اور بصیرت کے موافق نوع انسان کی ہمدردی میں مشغول ہو..... ایک اور امر ضروری ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اس کو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے مگر میرا فرض ہے کہ میں اس کو نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ درخت کیسے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد جاڑے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارے میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا

بِاَنْفُسِهِمْ اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْيَةَ یعنی جب تک دلوں کی وباء و معصیت دور نہ ہو تب تک ظاہری وباء بھی دور نہیں ہوگی اور درحقیقت دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں بدکاری بکثرت سے پھیل گئی ہے اور خداتعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہوکر ہوا و ہوس کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے۔ اکثر دلوں سے اللہ جل شانہ ٗ کا خوف اٹھ گیا ہے اور وباؤں کو ایک معمولی تکلیف سمجھا گیا ہے جو انسانی تدبیروں سے دور ہو سکتی ہے۔ ہر ایک قسم کے گناہ بڑی دلیری سے ہو رہے ہیں۔ اور قوموں کا ہم ذکر نہیں کرتے وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں ان میں سے جو غریب اور مفلس ہیں اکثر ان میں سے چوری اور خیانت اور حرام خوری میں نہایت دلیر پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ بہت بولتے ہیں اور کئی قسم کے خسیس اور مکروہ حرکات ان سے سرزد ہوتے ہیں اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں نماز کا تو ذکر کیا کئی کئی دنوں تک منہ بھی نہیں دھوتے اور کپڑے بھی صاف نہیں کرتے اور جو لوگ امیر اور رئیس اور نواب یا بڑے بڑے تاجر اور زمیندار اور ٹھیکیدار اور دولت مند ہیں وہ اکثر عیاشیوں میں مشغول ہیں اور شراب خوری اور زناکاری اور بداخلاقی اور فضول خرچی ان کی عادت ہے اور صرف نام کے مسلمان ہیں اور دینی امور میں اور دین کی ہمدردی میں سخت لاپرواہ پائے جاتے ہیں۔

اب چونکہ اس الہام سے جو ابھی میں نے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقدیر معلق ہے اور توبہ اور استغفار اور نیک عملوں اور ترک معصیت اور صدقات اور خیرات اور پاک تبدیلی سے دور ہو سکتی ہے لہٰذا تمام بندگان خدا کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سچے دل سے

نیک چلنی اختیار کریں اور بھلائی میں مشغول ہوں اور ظلم اور بدکاری کے تمام طریقوں کو چھوڑ دیں"۔

(مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم ص ۳،۵،۶)

آپ کے اس اشتہار کی اشاعت کے تقریباً دو سال بعد تک طاعون کا کوئی غیر معمولی حملہ پنجاب پر نہیں ہوا۔ چنانچہ بجائے استغفار کرنے اور گناہوں سے توبہ کرنے کے کیا علماء اور کیا عوام الناس سب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی پر ہنسی اڑانی شروع کی اور تمسخر کے ساتھ اس کے تذکرے ہونے لگے۔ لیکن افسوس ہے کہ جلد یہ ہنسی رونے پیٹنے اور ماتم میں تبدیل ہو گئی کیونکہ طاعون اچانک اس تیزی کے ساتھ پنجاب میں پھیل گیا کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر کبھی اس شدت کا حملہ ہوا ہو گا۔ چنانچہ آپ نے اس افسوسناک حالت کو ذکر کرتے ہوئے ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء بذریعہ اشتہار اہل وطن کو ایک دفعہ پھر نصیحت فرمائی اور استغفار اور توبہ کرنے کی ہدایت کی۔ اس اشتہار کے چند اقتباسات پیش ہیں :-

"ناظرین کو یاد ہو گا کہ ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو میں نے طاعون کے بارے میں ایک پیشگوئی شائع کی تھی اور اس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اس ملک کے مختلف مقاموں میں سیاہ رنگ کے پودے لگائے گئے ہیں اور وہ طاعون کے پودے ہیں اور میں نے اطلاع دی تھی کہ توبہ اور استغفار سے وہ پودے دور ہو سکتے ہیں مگر بجائے توبہ اور استغفار کے وہ اشتہار بڑی ہنسی اور ٹھٹھے سے پڑھا گیا اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیشگوئی ان دنوں میں پوری ہو رہی ہے خدا ملک کو اس آفت سے بچاوے اگر خدانخواستہ اس کی ترقی ہوئی تو وہ ایک ایسی بلا ہے جس کے تصور سے بدن کانپتا ہے۔ سوائے

عزیزو! اسی غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو اور ایک تبدیلی دکھلاؤ تا خدا تم پر رحم کرے اور وہ بلا جو بہت نزدیک آگئی ہے خدا اس کو نابود کرے"۔

۲۔ "اے غافلو! یہ ہنسی اور ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دور ہوتی ہے..... معمولی درجہ کی طاعون یا کسی اور وباء کا آنا ایک معمولی بات ہے لیکن جب یہ بلا ایک کھا جانے والی آگ کی طرح کسی شہر میں اپنا منہ کھولے تو یقین کرو کہ وہ شہر کامل راستبازوں کے وجود سے خالی ہے۔ تب اس شہر سے جلد نکلو یا کامل توبہ اختیار کرو۔ ایسے شہر سے نکلنا طبی قواعد کی رو سے مفید ہے ایسا ہی روحانی قواعد کی رو سے بھی....."

۳۔ "اللہ جلشانہ اپنے رسول کو قرآن شریف میں فرماتا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی خدا ایسا نہیں ہے کہ وہ وباء وغیرہ سے ان لوگوں کو ہلاک کرے جن کے شہر میں تو رہتا ہو۔ پس چونکہ وہ نبی علیہ السلام کامل راستباز تھا اس لئے لاکھوں کی جانوں کا وہ شفیع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف رکھتے رہے امن کی جگہ رہا اور پھر جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کا اس وقت نام یثرب تھا جس کے معنے ہیں ہلاک کرنے والا۔ یعنی اس میں ہمیشہ سخت وباء پڑا کرتی تھی آپ نے داخل ہوتے ہی فرمایا کہ اب کے بعد اس کا نام یثرب نہ ہو گا بلکہ اس کا نام مدینہ ہو گا یعنی تمدن اور آبادی کی جگہ۔ اور فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ مدینہ کی وباء اس میں سے ہمیشہ کے لئے نکال

دی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب تک مکہ اور مدینہ ہمیشہ طاعون سے پاک رہے۔ میں اس خدائے کریم کا شکر کرتا ہوں کہ اس آیت کے مطابق اس نے مجھے بھی الہام کیا اور وہ یہ ہے "اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوْسُ تُضَاعُ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ" یہ الہام ۲۶۔ فروری ۱۸۹۸ء میں شائع ہو چکا ہے اور یہ طاعون کے بارے میں ہے۔ اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موتوں کے دن آنے والے ہیں مگر نیکی اور توبہ کرنے سے ٹل سکتے ہیں اور خدا نے اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور متفرق کئے جانے سے محفوظ رکھا۔ یعنی بشرط توبہ۔ اور براہین احمدیہ میں یہ الہام بھی درج ہے کہ "مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ" یہ خدا کی طرف سے برکتیں ہیں اور لوگوں کی نظر میں عیب"۔

(مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم ص ۴۰۲۔۴۰۱)

طاعون کی اس وبا کا غیر معمولی طرز عمل جو اسے عام وباؤں سے ممتاز کرتا ہے

۱۹۰۱ء میں طاعون کی وباء نے پنجاب پر ایک عام ہلہ بول دیا اور وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علی السلام کی گذشتہ پیشگوئیوں کو استخفاف و استہزاء کی نظروں سے دیکھ رہے تھے اچانک ہر طرف سے انتہائی ہولناک طاعون کے نرغے میں گھر گئے۔ اس وقت وباء کی شدت کے دوران آپ کا یہ دعویٰ سخت تعجب انگیز تھا کہ یہ مرض آپ کے گھر کی چاردیواری میں بسنے والوں کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ یہی نہیں بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ

صرف آپ کا گھر ہی نہیں خود قادیان بھی اس مرض کے ایسے حملے سے محفوظ رہے گا جو دوسرے شہروں کی طرح ہلاک خیز ہو گویا اس لحاظ سے پنجاب کے دوسرے شہروں کی نسبت قادیان کو ایک خاص امتیاز حاصل رہے گا لیکن پیشتر اس کے کہ ہم طاعون کی وباء کا اس پہلو سے تنقیدی جائزہ لیں کہ اس میں عذاب الٰہی ہونے کے کیا کیا خصوصی امتیازات پائے جاتے تھے بہتر ہو گا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ ہی میں ان الٰہی مواعید اور بشارتوں کا ذکر کیا جائے جو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیشگوئی شائع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیار درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں اگر لوگ توبہ کریں تو یہ مرض دو جاڑہ سے بڑھ نہیں سکتی۔ خدا اس کو دفع کر دے گا۔ مگر بجائے توبہ کہ مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہار شائع کئے گئے جس کا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے جو اب دیکھ رہے ہو"۔

اب اس تمام وحی سے تین باتیں ثابت ہوئی ہیں :-

اول یہ کہ طاعون دنیا میں اس لئے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اس کو دکھ دیا گیا اور اس کے قتل کرنے کے لئے منصوبے بنائے گئے اس کا نام کافر اور دجال رکھا گیا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے.....

دوسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہو گی جبکہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں

گے کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذ رسانی اور بدزبانی سے باز آجائیں گے.....

تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے"۔

(دافع البلاء ص ۱۔۱۸)

"چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ملک میں عام طاعون پڑے گی اور کسی کم مقدار کی حد تک قادیان بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گی اسی لئے اس نے آج کے دنوں سے تیئس برس پہلے فرمایا کہ جو شخص اس مسجد میں اس گھر میں داخل ہوگا یعنی اخلاص اور اعتقاد سے وہ طاعون سے بچایا جائے گا۔ اسی کے مطابق ان دنوں میں خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا :-

اِنِّیْٓ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ۔ وَاُحَافِظُکَ خَآصَّۃً ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ..... یعنی میں ہر ایک ایسے انسان کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو تیرے گھر میں ہوگا مگر وہ لوگ جو تکبر سے اپنے تئیں اونچا کریں۔ اور میں تجھے خصوصیت کے ساتھ بچاؤں گا خدائے رحیم کی طرف سے تجھے سلام۔

جاننا چاہئے کہ خدا کی وحی نے اس ارادہ کو جو قادیان کے متعلق ہے دو حصوں پر تقسیم کردیا ہے (۱) ایک وہ ارداہ جو عام طور پر گاؤں کے متعلق ہے اور وہ ارادہ یہ ہے کہ یہ گاؤں اس شدت طاعون

سے جو افراتفری اور تباہی ڈالنے والی اور ویران کرنے والی اور تمام گاؤں کو منتشر کرنے والی ہو محفوظ رہے گا (۲) دوسرے یہ ارادہ کہ خدائے کریم خاص طور پر اس گھر کی حفاظت کرے گا اور اس کو تمام عذاب سے بچائے گا جو گاؤں کے دوسرے لوگوں کو پہنچے گا اور اس وحی اللہ کا اخیر فقرہ ان لوگوں کے لئے منذر ہے جن کے دلوں میں بے جا تکبر ہے"۔ (نزول المسیح ص ۲۳۔۲۴)

"کچھ شک نہیں کہ اس وقت تک جو تدبیر اس عالم اسباب میں اس گورنمنٹ عالیہ کے ہاتھ آئی وہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ یہ تدبر ہے کہ ٹیکا کرایا جائے اس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تدبیر مفید پائی گئی ہے اور یہ پابندی رعائیت اسباب' تمام رعایا کا فرض ہے کہ اس پر کاربند ہو کر وہ غم جو گورنمنٹ کو ان کی جانوں کے لئے ہے اس سے اس کو سبکدوش کریں لیکن بڑے ادب سے اس محسن گورنمنٹ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا میں سے ہم ٹیکا کراتے۔ اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانے میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اس نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہو گا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہو گا کہ تا وہ قوموں میں فرق کرکے دکھلاوے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں ہے اس لئے مت دل گیر ہو۔ یہ حکم الٰہی ہے جس کی وجہ سے

ہمیں اپنے نفس کے لئے اور ان سب کے لئے جو ہمارے گھر کی چاردیوار میں رہتے ہیں ٹیکا کی کچھ ضرورت نہیں..... اس نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمادیا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی جس سے لوگ کتوں کی طرح مریں اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہوجائیں اور عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے مگر ایسے لوگ ان میں سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً اور مقابلۃ خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔ اس بات پر بعض نادان چونک پڑیں گے اور بعض ہنسیں گے اور بعض مجھے دیوانہ قرار دیں گے اور بعض حیرت میں آئیں گے کہ کیا ایسا خدا موجود ہے جو بغیر رعایت اسباب کے بھی رحمت نازل کر سکتا ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں! بلاشبہ ایسا قادر خدا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے زندہ ہی مرجاتے وہ عجیب قادر ہے اور اس کی پاک قدرتیں عجیب ہیں۔ ایک طرف نادان مخالفوں کو اپنے دوستوں پر کتوں کی طرح مسلط کر دیتا ہے اور ایک طرف فرشتوں کو حکم کرتا ہے کہ ان کی خدمت کریں"۔ (کشتی نوح ص ۳-۶)

مندرجہ بالا اقتباسات میں جو دعاوی کئے گئے ہیں ان کی رو سے طاعون کی اس وباء میں حسب ذیل خصوصیات ہونی چاہئے تھیں جو اسے عام وباؤں سے

ممتاز کر دیں اور قطعی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کوئی عام وباء نہیں بلکہ عذاب الٰہی کے قبیل سے تعلق رکھنے والا ایک عظیم الشان عذاب ہے۔

۱۔ پیشگوئی کے بعد اس وباء کو غیر معمولی طور پر بڑھنا چاہئے تھا۔

۲۔ پنجاب کے دیگر قصبات کے برعکس قادیان کو اس وباء کی غیر معمولی شدت سے محفوظ رہنا چاہئے۔

۳۔ عموماً جماعت احمدیہ کے افراد اس حملے سے اس حد تک نمایاں طور پر محفوظ رہنے چاہئیں تھے تا یہ بات لوگوں کی نظر میں عجیب ٹھہرے۔

۴۔ خصوصاً قادیان کا وہ حصہ اس وباء سے بالکل محفوظ رہنا چاہئے تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش گاہ تھا۔ ہر وہ شخص جو اس میں رہائش پذیر تھا اس کے اثر سے محفوظ و مامون ہونا چاہئے تھا۔

۵۔ اس طاعون کے نتیجے میں لوگوں نے بکثرت آپ پر ایمان لانا تھا اور جب تک ایسا نہ ہو طاعون نے ملک کا پیچھا نہ چھوڑنا تھا۔

جب ہم تاریخی حقائق پر نظر ڈالتے ہیں تو بڑی حیرت کے ساتھ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا دعاوی میں سے ہر ایک بڑی شان کے ساتھ سچا ثابت ہوا۔

سب سے پہلے ہم وہ اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہو گا کہ طاعون کی پیشگوئی سے قبل اور طاعون کی پیشگوئی کے بعد کے حالات میں ایک ایسی نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی جو کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی۔

ذیل میں ہم طاعون کی پیشگوئی سے قبل کے اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جو طاعون کے مختلف ملکوں میں پھیلاؤ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۸۸۰ء میں صرف ایک ملک میں طاعون ظاہر ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں تین ممالک، ۱۸۸۲ء میں دو ممالک، ۱۸۸۳ء میں ایک ملک، ۱۸۸۴ء میں پھر دو

ممالک' ۸۸-۸۷-۸۶-۱۸۸۵ء میں صرف ایک ملک میں' ۱۸۸۹ء میں پھر یہ بڑھنا شروع ہوا اور ۹۱-۹۰-۱۸۸۹ء میں تین ممالک میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۹۲ء میں چار ممالک' ۹۴-۱۸۹۳ میں ایک دم پھیل کر نو ممالک پر قابض ہو گیا۔ ۱۸۹۵ء میں دو ممالک اور ۹۷-۱۸۹۶ء میں چھ ممالک تک محدود رہا۔ ان اعداد کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعون کی انتہائی چوٹی ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی جس کے بعد مسلسل تین سال تک اس کا دائرہ عمل محدود رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے طاعون کے عذاب الٰہی کی صورت میں پھیلنے کی ۱۸۹۸ء میں خبر دی اور ۱۸۹۸ء میں طاعون اچانک پھر پھیلنا شروع ہوا اور چھ ممالک کی بجائے آٹھ ممالک پر حملہ آور ہوا۔ ۱۸۹۹ء میں اکیس ممالک' ۱۹۰۰ء میں ۲۶ ممالک' ۱۹۰۱ء میں ۲۷ ممالک اور ۱۹۰۲ء میں ۲۸ ممالک پر مسلط ہو گیا۔ اس نقشہ کو دیکھ کر طبیعت پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس الٰہی تنبیہ کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ بنی نوع انسان کو اس آنے والی آفت سے متنبہ کر دیا گیا تو ساتھ ہی اس بلا کی زنجیریں کھول دی گئیں اور یہ اس تیز رفتاری سے آگے بڑھی گویا پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طاعون کے پھیلاؤ کا صرف ۱۹۰۲ء تک ذکر کرتا ہے اس لئے ہم مکمل نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں جہاں تک طاعون کے اثرات کا تعلق ہے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ۱۹۰۶ء تک طاعون کے نتیجہ میں رونما ہونے والی اموات کے اعداد و شمار محفوظ کر دیئے گئے۔ اس نقشے پر بھی نظر ڈال کر دیکھئے تو پیشگوئی سے قبل اور پیشگوئی کے بعد کے اعداد و شمار میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔

اس نقشے کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان یعنی وہ ملک جس میں وقت کا امام ظاہر ہوا تھا اور جس نے آفت سے بالخصوص اس ملک کو

متنبہ کیا طاعون کی سب سے زیادہ خوفناک آماجگاہ بن گیا۔ ۱۸۹۹ء میں یعنی پیشگوئی سے قبل کے سال ۲۲۱۹ اموات طاعون کی وباء کے نتیجہ میں ہوئیں لیکن جب پیشگوئی کی گئی یہ اموات اچانک بڑھ کر ۴۷۹۷۶ تک پہنچ گئیں۔ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں جو ہمارے بیان پر شاہد ناطق ہیں۔

سال	تعداد اموات
۱۸۹۶ء	۲۲۱۹
۱۸۹۷ء	۴۷۹۷۶
۱۸۹۸ء	۸۹۲۶۵
۱۸۹۹ء	۱۰۲۳۶۹
۱۹۰۰ء	۷۳۵۷۶
۱۹۰۱ء	۲۳۶۴۳۳
۱۹۰۲ء	۴۵۲۶۵۵
۱۹۰۳ء	۶۸۴۴۴۵
۱۹۰۴ء	۹۳۸۰۱۰
۱۹۰۵ء	۹۴۰۸۲۱
۱۹۰۶ء	۳۰۰۳۵۵

مندرجہ بالا نقشہ میں صرف ۱۹۰۰ء کا سال ایسا ہے جس میں گذشتہ سال سے اموات میں کچھ کمی دکھائی دیتی ہے۔ باقی تمام سالوں میں ۱۹۰۵ تک مسلسل اموات کی تعداد ہولناک طریق پر بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے جو بالآخر ۱۹۰۶ء میں پھر گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد طاعون رفتہ رفتہ غائب ہوتے ہوتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال تک تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔

طاعون کے پھیلاؤ اور اموات کی تعداد کے سالانہ اعداد و شمار ذہن کو اس

آیت کے مضمون کی طرف بھی منتقل کر دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم پر نازل ہونے والے عذابوں کے ذکر میں عذاب الٰہی کی ایک علامت یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ اگلے جھٹکے پچھلے جھٹکوں سے شدید تر ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔

وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔

(سورۃ الزخرف آیت ۴۹)

ترجمہ۔ اور ہم ان کو جو نشان بھی دکھاتے تھے وہ اپنے پہلے نشان سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا تاکہ وہ (اپنی بداعمالیوں سے) لوٹ جائیں۔

اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت تک وہ عذاب مقدر ہو اور جس وقت تک اس کے اٹھا لینے کا فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک وہ مسلسل شدت اختیار کرتا چلا جاتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ جب قوم میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو اور وہ .شدت استغفار کی طرف مائل ہو تو جب تک یہ کیفیت قوم میں پائی جائے یہ عذاب نرم پڑ جاتا ہے یا ٹل جاتا ہے۔ یہ دوسرا اصول بھی قرآن کریم فرعون کی قوم پر آنے والے عذابوں کے ضمن میں ہی بیان کرتا ہے جیسا کہ فرمایا کہ جب کبھی عذاب .شدت اس قوم کو پکڑ لیتا تھا وہ لوگ مائل بہ استغفار ہوتے تھے اور حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ تب وہ عذاب ٹل جاتا تھا یہاں تک کہ جلد ہی اس کے بعد قوم پھر شرارتوں کی طرف لوٹ آتی تھی۔ تب اللہ تعالیٰ بھی ایک نیا عذاب ان پر وارد کرتا تھا۔ پس کسی وقت عذاب کا وقتی طور پر ٹل جانا یا نرم پڑ جانا اس آیت کے مضمون کے مخالف

نہیں ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ بیک وقت دونوں باتیں اس طرح نظر آتی ہیں کہ عذاب اپنی شدت میں بالعموم خفیف سے اشد کی طرف حرکت کرتا ہے لیکن کہیں کہیں انسانوں کی بے قراری اور استغفار کے آنسو اس آگ کو کسی حد تک ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور وقتی طور پر اس کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

شق دوم ۔ قادیان کی بستی سے استثنائی سلوک کا دعویٰ

شق اول کے مطالعہ کے دوران بعض قارئین کے ذہن میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جبکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ طاعون کی وباء اس زمانہ میں پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ء میں پھوٹی تھی اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف ممالک میں ظاہر ہوتی رہی تو ۱۸۹۷ء میں یعنی سترہ سال بعد حضرت مرزا صاحب کا طاعون کی وباء کو عذاب الٰہی قرار دینا اور اپنی تائید میں بطور نشان اس کی پیشگوئی کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیوں نہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ نے یہ اندازہ لگا کر کہ یہ وباء اب زیادہ شدت اختیار کر جائے گی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک پیشگوئی کر دی۔ اس کا ایک جواب تو خود شق اول ہی میں گزر چکا ہے یعنی یہ کہ اس پیشگوئی سے قبل اور بعد کے اعداد و شمار میں حیرت انگیز فرق فی ذاتہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی پیشگوئی کسی انسانی تخمینہ کے نتیجہ میں نہیں بلکہ عالم الغیب ہستی کی طرف سے دی جانے والی خبر کے نتیجہ میں تھی۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں محض یہ دعویٰ نہ تھا کہ طاعون بصورت عذاب الٰہی بڑی شدت کے ساتھ اس ملک پر حملہ آور ہو گا' بلکہ اس کے ساتھ یہ عجیب دعویٰ بھی تھا کہ قادیان کی بستی اس وباء سے غیر معمولی طور پر محفوظ رہے رکھی جائے گی اور یہ دعویٰ بڑے کھلے لفظوں میں کیا

گیا تھا کہ قادیان میں طاعون داخل ہوئی بھی تو محض معمولی حیثیت اور درجے کی ہوگی۔ اور ایسی وباء سے خدا تعالیٰ اس بستی کو محفوظ رکھے گا جو دیگر دیہات اور بستیوں کی طرح یہاں بھی سخت تباہی مچائے۔ مبادا کسی کو یہ خیال گزرے کہ طاعون کے زمانے میں ایسا دعویٰ کر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی اور جو چاہتا آسانی سے ایسا دعویٰ کر سکتا تھا۔ ہم اس وہم کے ازالہ کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہی کے الفاظ میں وہ چیلنج پیش کرتے ہیں جو اس بارہ میں باقی اہل مذاہب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا لیکن کسی کو توفیق نہ ملی کہ اسے قبول کرے۔ حضور نے فرمایا۔

"جو شخص ان تمام فرقوں میں اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو اب بہت عمدہ موقعہ ہے گویا خدا کی طرف سے تمام مذاہب کی سچائی یا کذب پہچاننے کے لئے نمائش گاہ مقرر کیا گیا ہے اور خدا نے سبقت کرکے اپنی طرف سے پہلے قادیان کا نام لے دیا ہے۔ اب اگر آریہ لوگ وید کو سچا سمجھتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ بنارس کی نسبت جو وید کے درس کا اصل مقام ہے ایک پیشگوئی کر دیں کہ ان کا پرمیشر بنارس کو طاعون سے بچا لے گا۔ اور سناتن دھرم والوں کو چاہئے کہ کسی ایسے شہر کی نسبت جس میں گائیاں بہت ہوں مثلاً امرتسر کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ **کرشنو** کے طفیل اس میں طاعون نہیں آئے گی۔ اگر اس قدر گئو اپنا معجزہ دکھا دے تو کچھ تعجب نہیں کہ اس معجزہ نما جانور کی گورنمنٹ جان بخشی کر دے۔ اسی طرح عیسائیوں کو چاہئے کہ کلکتہ کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ اس میں طاعون نہیں پڑے گی کیونکہ بڑا بشپ برٹش انڈیا کا کلکتہ میں رہتا ہے۔ اسی طرح میاں شمس الدین اور ان کی انجمن حمایت اسلام کے

ممبروں کو چاہئے کہ لاہور کی نسبت پیشگوئی کردیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا اور منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ جو الہام کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے لئے بھی موقعہ ہے کہ اپنے الہام سے لاہور کی نسبت پیشگوئی کرکے انجمن حمایت اسلام کو مدد دیں۔ اور مناسب ہے کہ عبدالجبار اور عبدالحق شہر امرتسر کی نسبت پیشگوئی کردیں۔ اور چونکہ فرقہ وہابیہ کی اصل جو دلی میں ہے اس لئے مناسب ہے کہ نذیر حسین اور محمد حسین دلی کی نسبت پیشگوئی کریں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گی۔ پس اس طرح سے گویا تمام پنجاب اس مہلک مرض سے محفوظ ہو جائے گا اور گورنمنٹ کو بھی مفت میں سبکدوشی ہو جائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا...... اس جگہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی کو ہمارے مقابلہ کے لئے خوب موقعہ مل گیا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کہ تا کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنادیں بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں...... اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آگیا ہے کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے۔ یعنی اگر وہ درحقیقت مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں اور میرے الہامات کو انسان کا افتراء خیال کرتے ہیں نہ خدا کا کلام تو سہل طریق یہ ہے کہ جس طرح میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر کہا ہے لَوْ لَا الْاِکْرَامُ لَهَلَکَ الْمَقَامُ وہ اِنَّہٗ اٰوَی اِمْرُوْهَہ لکھ دیں۔ مومنوں کی دعا تو خدا سنتا ہے۔ وہ شخص کیسا مومن ہے کہ

ایسے شخص کی دعا تو اس کے مقابلے پر سنی جاتی ہے جس کا نام اس نے دجال اور بے ایمان اور مفتری رکھا ہے مگر اس کی اپنی دعا نہیں سنی جاتی..... اگر انہوں اپنے فرضی مسیح کی خاطر دعا قبول کرا کر خدا سے یہ بات منوالی کہ امروہہ میں طاعون نہیں پڑے گی تو اس صورت میں نہ صرف ان کو فتح ہوگی بلکہ تمام امروہہ پر ان کا ایسا احسان ہوگا کہ لوگ اس کا شکر نہیں کر سکیں گے۔ اور مناسب ہے کہ ایسے مباہلے کا مضمون اس اشتہار کے شائع ہونے سے پندرہ دن تک بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے دنیا میں شائع کردیں جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ اشتہار مرزا غلام احمد کے مقابل پر شائع کرتا ہوں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور میں جو مومن ہوں دعا کی قبولیت پر بھروسہ کرکے یا الہام پاکر یا خواب دیکھ کر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ امروہہ ضرور بالضرور طاعون کی دست برد سے محفوظ رہے گا لیکن قادیان میں تباہی پڑے گی کیونکہ مفتری کے رہنے کی جگہ ہے۔ اس اشتہار سے غالباً آئندہ جاڑے تک یہ فیصلہ ہو جائے گا یا حد دوسرے تیسرے جاڑے تک..... چونکہ مسیح موعود کی رہائش کے قریب تر پنجاب ہے اور مسیح موعود کی نظر کا پہلا محل پنجابی ہیں اس لئے اول یہ کارروائی پنجاب میں شروع ہوئی۔ لیکن امروہہ بھی مسیح موعود کی محیط ہمت سے دور نہیں ہے اس لئے اس مسیح کا کافر کش دم ضرور امروہہ تک بھی پہنچے گا۔ یہی ہماری طرف سے دعویٰ ہے۔ اگر مولوی احمد حسن صاحب اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ شائع کرے گا امروہہ کو طاعون سے بچا سکا اور کم از کم تین جاڑے امن سے گزر گئے تو میں

خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا فیصلہ ہوگا۔ اور میں بھی خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے کہ اس وقت آسمان پر خسوف و کسوف ہوگا اور زمین پر سخت طاعون پڑے گی۔ اور میرا یہی نشان ہے کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔

(دافع البلاء ص ۱۔۱۸)

کھلے کھلے اس چیلنج کے باوجود کسی کو توفیق نہ ملی کہ اپنی بستی کے بارہ میں یہ دعویٰ کر سکے کہ خدا تعالیٰ اسے طاعون کی غیر معمولی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ پس تمام اہل مذاہب کی اس بارہ میں خاموشی بذات خود اس امر کا ایک بین ثبوت ہے کہ اس زمانہ میں طاعون جس شدت اور تیزی سے شہروں اور دیہات میں داخل ہو کر زندگی کی بیخ کنی کر رہی تھی اس کے دیکھتے ہوئے کسی فرد بشر کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنی طرف سے اتنا بڑا اور محال دعویٰ کر دے کہ اس کے گاؤں کو اللہ تعالیٰ طاعون کے غیر معمولی حملہ سے بچا لے گا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محض یہ دعویٰ ہی نہ کیا بلکہ عجیب تر بات یہ ہے کہ طاعون کی وباء نے حیرت انگیز سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عمل سے آپ کے دعویٰ کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ چنانچہ عین ان دنوں جبکہ

طاعون کی وباء زوروں پر تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہل دنیا کو اس عجیب در عجیب نشان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

"اب دیکھو تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دونوں پہلو پورے ہو گئے یعنی ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور دوسری طرف باوجود اس کے کہ قادیان کے چاروں طرف دو دو میل فاصلے پر طاعون کا زور ہو رہا ہے مگر قادیان طاعون سے پاک ہے بلکہ آج تک جو شخص طاعون زدہ باہر سے قادیان میں آیا وہ بھی اچھا ہو گیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت ہو گا؟ جو باتیں آج سے چار برس پہلے کہی گئی تھیں وہ پوری ہو گئیں بلکہ طاعون کی خبر آج سے بائیس برس پہلے براہین احمدیہ میں دی گئی ہے اور یہ علم بجز خدا کے کسی اور کی طاقت میں نہیں"۔

(دافع البلاء ۱۸۔۱ ماخوذ از کتاب مرزا غلام احمد قادیان ص ۱۲۲۰)

تیسری شق الدار کی حفاظت

ہر چند کہ یہ بہت عجیب دعویٰ تھا کہ قادیان کی بستی کے ساتھ استثنائی سلوک کیا جائے گا اور دوسرے شہروں اور دیہات کے مقابل پر اسے اس حد تک محفوظ رکھا جائے گا کہ ایک نمایاں امتیاز کی صورت پیدا ہو۔ ہر چند کہ بار بار چیلنج دینے کے باوجود کسی دوسرے شخص کو اس قسم کے دعویٰ کی جرأت نہ ہوئی۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک شکی مزاج انسان کے لئے محل اعتراض ابھی باقی ہے سوچنے والا یہ سوچ سکتا ہے اور وہم کرنے والا اس وہم میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ ایک امکان کا سہارا لے کر ایسی پیشگوئی کر دی گئی اور ساتھ ہی اعتراض سے بچنے کے لئے یہ راہ بھی تجویز کر دی گئی کہ اگر طاعون پڑی بھی تو زیادہ شدت کی طاعون نہیں پڑے گی اور

دوسرے شہروں کی نسبت امتیاز کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ پس استثناء نے پیشگوئی کی امتیازی حیثیت پر ایک ابہام اور تلبیس کا پردہ ڈال دیا ہے۔ اس وہم اور اعتراض کا جواب خود پیشگوئی ہی کی اس تیسری شق میں موجود ہے جس پر ہم اب قلم اٹھا رہے ہیں۔

اگرچہ قادیان کی بستی کے متعلق پیشگوئی میں کلی حفاظت کا وعدہ نہیں تھا لیکن قادیان کے ایک حصہ کے متعلق جو اس قصبہ کی گنجان آبادی کے وسط میں واقع تھا ایسا وعدہ ضرور موجود تھا اور بڑی وضاحت اور تحدی کے ساتھ یہ فرمایا گیا تھا کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ہر اس وجود کی اس وباء سے حفاظت کروں گا جو تیرے گھر کے اندر رہتا ہے۔

پیشگوئی کے اس حصہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو قادیان میں طاعون کے معمولی طور پر داخل ہونے والا پہلو پیشگوئی کی شوکت کو کم کرنے کی بجائے اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ اگر قادیان میں طاعون کلیتہ داخل ہی نہ ہوتی اور نیکوں کی طرح قادیان کے تمام شریر لوگ بھی اس سے پوری طرح محفوظ رہتے تو ایک شکی مزاج انسان کے لئے شک کی ایک اور صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ کیوں نہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اتفاق سے طاعون کے جراثیم اس بستی میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ اگر یہ کوئی الٰہی نشان ہوتا تو نیک اور بد میں کوئی تمیز ہونی چاہئے تھی۔ قادیان کی بستی میں رہنے والے مرزا صاحب کے مخالفین کا بھی اس وباء سے صاف بچ جانا ظاہر کرتا ہے کہ کوئی خدائی ہاتھ نہیں بلکہ اتفاقی حادثہ اس میں کار فرما تھا۔ پھر ایک وہمی انسان یہ بھی اعتراض کر سکتا تھا کہ مرزا صاحب کے گھر کا یعنی اس میں رہنے والے ہر وجود کا طاعون کی بیماری سے بچ رہنا تو صرف اس صورت میں امتیازی نشان بن سکتا تھا کہ اس شہر میں طاعون داخل ہوتی۔

دائیں بائیں، آگے پیچھے قرب و جوار میں ہمسایوں کو پکڑتی لیکن آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت اسے نہ ملتی تب ہم سمجھتے کہ ہاں کچھ بات ضرور ہے۔

مندرجہ بالا امکانی اعتراضات اور توہمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم پیشگوئی اور بعد ازاں رونما ہونے والے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے اور غیر معمولی تصرف الٰہی کے سوا ان واقعات کی کوئی طبعی توجیہ پیش کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا پیشگوئی کا ہر جزء حیرت انگیز صفائی کے ساتھ پورا ہوا کہ انسانی طاقت کا کوئی دخل اس میں نظر نہیں آتا۔ قادیان میں طاعون داخل ہوئی مگر نہایت معمولی طریق پر۔ گویا اکا دکا ردی کے ٹکڑے جتنی رہی۔ گھروں، گلیوں اور بازاروں میں موت کا جھاڑو نہیں دیا۔

حضرت مرزا صاحب کے چند مخالفین تو طاعون کی نظر ہو گئے لیکن کسی مرید کو طاعون نے کچھ نہ کہا طاعون گھر کی چار دیواری کو مس کر کے گذر گئی لیکن "الدار" میں داخل ہونے کی اجازت اسے نہ ملی۔ بیج ناتھ ہندو جس کے گھر کی دیوار حضور علیہ السلام کی دیوار کے ساتھ ملی ہوئی تھی چند گھنٹے طاعون میں مبتلا رہ کر گذر گیا لیکن حضرت اقدس علیہ السلام کا گھر اس کے اثر سے محفوظ رہا۔

ایک منصف مزاج محقق ہرگز اس امر کو تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اور محض اتفاق کہہ کر اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ کسی ہولناک بیماری کے بارہ میں کوئی شخص یہ پیشگوئی کرے کہ وہ اس کے شہر میں معمولی درجہ کا اثر تو کر سکتی ہے اس سے زیادہ کی اسے اجازت نہ ہوگی اور جہاں تک اس کے گھر کی چار دیواری کا تعلق اس کے اندر رہنے والا ہر متنفس خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا اور یہ بیماری اسے ہلاک کرنے پر قدرت نہ پا سکے گی۔ پھر

جیسا کہ اس نے پیشگوئی کی ہو بعینہ اسی طرح ہو جائے یہ امر یقیناً اتفاق کی عملداری سے ماورئ ہے اور ہر سلیم فطرت انسان کو مزید فکر اور جستجو پر مجبور کر دیتا ہے۔

قادیان کی بستی میں طاعون کا داخل ہونا اور اکا دکا لوگوں کو اچک لے جانا ایک ایسا موضوع ہے جو بعض مثالوں کے بغیر آج کے قاری پر پوری طرح روشن نہیں ہو سکتا کن کن لوگوں کو اس نے پکڑا اور کن کن لوگوں کو اس نے چھوڑ دیا' کس کس پر ہاتھ ڈالا اور کس کس پر سے ہاتھ اٹھالیا۔ کہاں اسے کھل کھیلنے کا موقعہ اور کہاں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ قادیان کی تاریخ کا یہ باب حیرت انگیز ہے اور صرف اس ایک باب کا مطالعہ ہی حوادث طبعی اور عذاب الٰہی میں تمیز کر دکھانے کے لئے کافی ہے۔

بیج ناتھ کا ذکر کر چکا ہوں کہ کس طرح اس کے گھر اور دار مسیح کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ یہ دیوار کچی تھی اور ان کمروں کے فرش بھی کچے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ ملحق تھے۔ چوہوں کے توسط سے طاعون کے کیڑوں کا ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا عین قرین قیاس تھا لیکن ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوا اور دار مسیح میں بسنے والا انسان تو کجا چوہا بھی طاعون کی مرض سے ہلاک نہیں ہوا۔ یہ کوئی ایک دو ماہ یا سال دو سال کا قصہ نہیں تھا۔ ۱۸۹۸ء سے لے کر ۱۹۰۷ء تک مسلسل نو سال صوبہ پنجاب طاعون کی آفت میں مبتلا رہا لیکن اس چار دیواری میں ایک بھی طاعونی موت نہ ہوئی۔ مذہبی دنیا میں چونکہ آپ کا یہ دعویٰ خوب شہرت پا چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ قادیان کو عموماً اور آپ کے گھر کو خصوصاً طاعونی موت سے پاک رکھے گا' اس لئے تمام معاندین احمدیت کی نظر اس تمنا کے ساتھ قادیان پر لگی ہوئی تھی کہ کب وہ دن آئے کہ مرزا صاحب کے گھر بھی کوئی طاعونی موت واقع ہو جائے لیکن خدا نے وہ دن

کسی کو نہ دکھایا۔ ہاں بہت سے دشمنان احمدیت یہ دن دیکھنے کی حسرت لئے ہوئے خود طاعون کا شکار ہو کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حضور علیہ السلام کے معاندین کے دلوں میں قادیان میں طاعون کی عام ہلاکت دیکھنے کی تمنا ایسی مچلتی اور کروٹیں لیتی تھی کہ جب کچھ بن نہ آئی تو فرضی قصوں ہی سے تسکین قلب کے سامان ہونے لگے۔ لیکن یہ تسکین بھی عارضی اور فانی ثابت ہوئی کیونکہ حضور علیہ السلام نے معاً دلائل کی سخت ضربات کے ساتھ اس فریب کو پارہ پارہ کر دیا۔ مثال کے طور پر "پیسہ اخبار" میں شائع ہونے والی ایک فہرست اموات کا ذکر کرتے ہوئے جو اخبار موصوف کے نزدیک قادیان کی بستی میں طاعون سے واقع ہوئی تھیں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی کتاب نزول مسیح میں حسب ذیل طریق پر اس کے فریب کا پردہ چاک کیا۔ تحریر فرمایا:۔

(الف) "کہاں تک ان لوگوں کی نوبت پہنچ گئی ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور سمجھتے ہوئے نہیں سمجھتے۔ ان میں سے جھوٹ بولنے کا سرغنہ "پیسہ اخبار" کا ایڈیٹر ہے جو بارہا دروغ گوئی کی رسوائی اٹھا چکا ہے اور پھر باز نہیں آتا۔ وہ میری نسبت آپ ہی اقرار کرتا ہے کہ انہوں نے قادیان کے بارے میں صرف اس قدر الہام شائع کیا ہے کہ اس میں تباہی ڈالنے والی طاعون نہیں آئے گی ہاں! اگر کچھ کیس ہو جائیں جو موجب افراتفری نہ ہوں تو یہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر اپنے دوسرے پرچوں میں فریاد پر فریاد کر رہا ہے کہ قادیان میں طاعون آگئی"

(نزول المسیح صفحہ ۱۰۔۱۱)

(ب) "وہ لکھتا ہے کہ مولا چوکیدار کی بیوی بھی طاعون سے فوت

ہو گئی حالانکہ وہ اس وقت تک قادیان میں زندہ موجود ہے۔ ہر ایک شخص سوچ لے کہ اس شخص نے کیا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ زندوں کو مار رہا ہے۔ کیا ایک ایڈیٹر اخبار کی قلم سے ایسے خطرناک جھوٹ شائع ہونا اور دلوں کو آزار پہنچانا موجب نقص امن نہیں ہے؟ جس شخص کے اخبار کے ہر ہفتہ میں ہزار ہا پرچے شائع ہوتے ہیں قیاس کرنے کی جگہ ہے کہ وہ کسی طرح خلاف واقعہ ماتم کی خبروں سے بے گناہ دلوں کو دکھ دے رہا ہے اور دنیا میں بے امنی پھیلا رہا ہے۔ ایک تو آسمان سے انسانوں پر واقعی مصیبت ہے اب دوسری مصیبت یہ پیدا ہو گئی ہے جو "پیسہ اخبار" کے ذریعہ سے ملک میں پھیلتی جاتی ہے۔" (نزول المسیح صفحہ ۱۵)

(ج) "دوسرا طریق افتراء کا جو پیسہ اخبار نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ صرف فرضی نام لکھ کر ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ قادیان میں طاعون سے مرے ہیں حالانکہ ان ناموں کا کوئی انسان قادیان میں نہیں مرا۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ مسمی مولا کی لڑکی طاعون سے مری ہے حالانکہ مولا مذکور کے گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ایسا ہی وہ لکھتا ہے کہ ایک صدرو بافندہ طاعون سے مرا ہے حالانکہ اس گاؤں میں صدرو نام کا کوئی بافندہ ہی نہیں جو کہ طاعون سے مرگیا ہے۔ نہ معلوم اس کو یہ کیا سوجھی کہ فرضی طور پر نام لکھ کر ان کو طاعونی اموات میں داخل کر دیا۔ شاید اس لئے ایسا کیا گیا کہ تا کچھ پتہ نہ چل سکے اور جاہل لوگ سمجھ لیں کہ ضرور ان ناموں کے کوئی لوگ ہوں گے جو مرے ہونگے"۔ (نزول المسیح صفحہ ۱۵)

(د) "تیسرا طریق افتراء کا جو "پیسہ اخبار" نے اختیار کیا ہے وہ یہ

ہے کہ بعض آدمی فی الحقیقت مرے تو ہیں مگر وہ کسی اور حادثہ سے مرے ہیں' نہ طاعون سے اور اس نے محض چالاکی اور شرارت سے طاعون کی اموات میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً وہ اپنے اخبار میں بڈھا تیلی کے لڑکے کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ طاعون سے مرا ہے حالانکہ تمام گاؤں جانتا ہے کہ وہ دیوانہ کتے کے کاٹنے سے مرا تھا۔ اور جیسا کہ معمول ہے سرکاری طور پر اس کی موت کا نقشہ تیار کیا گیا اور کتے کے کاٹنے کی تاریخ وغیرہ اس میں لکھی گئی۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۵-۱۶)

دشمن احمدیت اخبارات کی الزام تراشی کے نتیجہ میں اس زمانہ کے لاعلم عوام کے ایک طبقہ کو ضرور نقصان پہنچا ہو گا لیکن مستقبل کے لئے یہ الزام تراشی بھی احمدیت کی تائید میں کچھ نشان چھوڑ گئی ہے۔ آج ان الزامات کے مطالعہ سے ایک محقق کا ذہن یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ:۔

(۱)۔ اگر قادیان میں واقعہ طاعون نے کوئی عام تباہی مچائی تھی تو دشمنان احمدیت کو یہ امر حکومت کے طبی ریکارڈ سے ثابت کرنا چاہئے تھا یا کم از کم یہ دعویٰ ہی کرنا چاہئے تھا کہ قادیان میں سینکڑوں طاعونی اموات واقع ہو رہی ہیں۔ اس کے برعکس محض گنتی کے چند ناموں کا اعلان کرنا خود اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ پیشگوئی کے عین مطابق قادیان طاعون کے عام حملہ سے محفوظ رہا۔

(۲)۔ اگر واقعہ قادیان میں متعدد طاعونی اموات واقع ہوئی ہوتیں تو دشمن احمدیت اخبارات ہرگز اس امر کے محتاج نہیں تھے کہ اس بارہ میں فرضی نام شائع کرتے یا غیر طاعونی اموات کو طاعونی اموات قرار دیتے۔ اخبارات کی یہ حرکت خود اس امر کی غمازی کر رہی ہے کہ درحقیقت قادیان طاعون کی عام تباہی سے محفوظ رہا۔

(۳)۔ معاند اخبارات کا بطور الزام بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں کسی طاعونی موت کا ذکر نہ کرنا ان کی عاجزی اور بے بسی کی دلیل ہے اور اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ "الدار" کی حفاظت کا دعویٰ بڑی شان سے پورا ہوا۔

بہرکیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں معاند اخبارات کے الزامات کا نہایت تشفی بخش جواب دیا وہاں ایک بار پھر ان پر اپنے دعویٰ اور پیشگوئی کو نوعیت کو حسب ذیل الفاظ میں واضح فرمایا:۔

"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ قادیان میں بھی کبھی وباء پڑے یا کسی معمولی حد تک طاعون سے جانوں کا نقصان ہو لیکن یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جیسا کہ قادیان کے ارد گرد تباہی ہوئی یہاں تک کہ بعض گاؤں موت کی وجہ سے خالی ہو گئے یہی حالت قادیان پر بھی آوے کیونکہ وہ خدا جو قادر خدا ہے اپنے پاک کلام میں وعدہ کر چکا ہے جو قادیان میں تباہی کرنے والی طاعون نہیں پڑے گی جیسا کہ اس نے فرمایا لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَاَھْلَکَ الْمَقَامُ یعنی اگر مجھے تمہاری عزت ظاہر کرنا ملحوظ نہ ہوتا تو میں اس مقام کو بھی یعنی قادیان کو طاعون سے فنا کر دیتا یعنی اس گاؤں میں بھی بڑے بڑے خبیث اور شریر اور ناپاک طبع اور کاذب اور مفتری رہتے ہیں اور وہ اس لائق تھے کہ قہر الٰہی سب کو ہلاک کر دیوے مگر میں ایسا کرنا نہیں چاہتا کیونکہ درمیان میں تمہارا وجود بطور شفیع کے ہے اور تمہارا اکرام مجھے منظور ہے اس لئے میں اس مرتبہ سزا سے درگزر کرتا ہوں کہ یہ خوفناک تباہی اور موت ان لوگوں پر ڈال دوں تاہم بکلی بے سزا نہیں چھوڑوں گا اور کسی حد تک وہ بھی عذاب طاعون

میں سے حصہ لیں گے تا شریروں کی آنکھیں کھلیں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۸)

مندرجہ بالا تحریر کے آخری الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں اور زیر نظر مضمون پر بہت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں ان کے ساتھ جب ہم ایک گزشتہ چیلنج کے حسب ذیل الفاظ کو ملا کر پڑھیں تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

"ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں خواہ بٹالہ میں اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔"

(دافع البلاء ص ۱۸)

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کے مضمون کو ذہن میں رکھ کر جب ہم حسب ذیل واقع پر نظر ڈالتے ہیں تو دل خشیت الٰہی سے بھر جاتا ہے اور حوادث طبعی اور عذاب الٰہی میں تمیز کا مسئلہ علمی حیثیت سے آگے گذر کر ایک قلبی واردات کی شکل میں ڈھل جاتا ہے:۔

اسی ماہ یعنی فروری ۱۹۰۷ء میں جب کہ یہ کتاب شائع ہوئی اچھرچند منیجر اخبار اور سیکرٹری آریہ سماج قادیان نے ایڈیٹر "الحکم" شیخ یعقوب علی صاحب تراب سے ایک گفتگو کے دوران کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرتا ہوں کہ طاعون سے کبھی نہیں مروں گا۔ خدا کی قدرت چند روز کے اندر اندر "شبھ چنتک" کا پورا عملہ طاعون کا شکار ہو گیا اور خدا کے اس قہر نے ان کی اولاد اور اہل و عیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ سب سے پہلے سو

مراج اور بھگت رام کی نرینہ اولاد لقمہ طاعون ہوئی پھر بھگت رام اور اچھرچند چل بسے۔ باقی رہا سومراج سو وہ بھی اپنے گھر' اپنے جگری دوستوں کی تباہی و بربادی کا نظارہ دیکھنے کے بعد سخت بیمار ہو گیا اس نے گھبرا کر حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسمل کو کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں آپ مہربانی فرما کر علاج کریں۔ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر پوچھا کہ سومراج نے مجھ سے علاج کرنے کے لئے درخواست کی ہے۔ حضور کا اس بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواب میں فرمایا "آپ علاج ضرور کریں کیونکہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے مگر میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص بچے گا نہیں۔" چنانچہ حکیم بسمل صاحب کے ہمدردانہ رویہ کے باوجود سومراج کی حالت بدتر ہوتی گئی اور وہ آخر دوسرے روز چار بجے کے قریب اپنے ساتھیوں سے جاملا"

(تاریخ احمدیت صفحہ ۴۹۳۔۴۹۲)

بلاشبہ یہ واقعہ بہت ہی عبرتناک اور سبق آموز ہے مگر عبرت اور حسرت اور سخت نامرادی کی یہ داستان نامکمل رہے گی اگر ہم پنڈت سومراج کے اس آخری خط کا ذکر نہ کریں جو اس نے اخبار پرکاش کے نام لکھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ شائع ہو تا عذاب الٰہی نے خود اسے بھی لقمہ اجل بنا دیا۔

(یہ چٹھی) ٹھیک اسی دن شائع ہوئی جس روز پنڈت سومراج اس دنیا سے رخصت ہوا لکھتا ہے کہ:۔

"یکایک مہاشہ اچھرچند کی استری اور عزیز بھگت رام برادر لالہ اچھرچند کا لڑکا بیمار ہو گئے۔ خیر ان کی استری کو تو آرام آگیا لیکن لڑکا

گذر گیا۔ اس تکلیف کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا کہ میری استری اور میرا چھوٹا لڑکا عزیز شوراج بیمار ہو گئے۔ میری استری تو ابھی بیمار ہی ہے مگر ہونہار لڑکا پلیگ کا شکار ہو گیا۔ اس مصیبت کو ابھی بھول نہیں گئے تھے کہ ایک ناگہانی مصیبت اور سر آن پڑی اور وہ یہ تھی کہ عزیز بھگت رام جس کے لڑکے کے گذر جانے کا اوپر ذکر کیا ہے بیمار ہو گیا اور چھ روز بیمار رہ کر ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب کے ہم گورو کل میں بھی نہیں جا سکتے اور اخبار بھی دو ہفتہ سے بند ہے اور ابھی اپریل کا کوئی پرچہ نکلنے کی آشا نہیں ہے کیونکہ لالہ اچھرچند جی تو اول کئی ہفتے اس صدمے سے کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔"

(تاریخ احمدیت صفحہ ۴۹۲۔۴۹۳)

قادیان میں طاعون نے کس حد تک اور کہاں کہاں دخل دیا اس کی کچھ کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ یہ بھی گذر چکا ہے کہ دار مسیح میں کسی بسنے والے ذی روح کی جان لینے پر اسے قدرت نصیب نہ ہو سکی۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کی تردید کی شدید ترین معاند احمدیت کو بھی توفیق نصیب نہ ہو سکی۔ یہ خدا کا ایسا اٹل وعدہ تھا جس کی تفاصیل پر نظر ڈالنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس تمام عرصہ میں بیماری کے صرف دو ایسے واقعات ہوئے جن پر طاعون کا شبہ گذرا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ طاعون تھا بھی کہ نہیں۔ لیکن اگر دوسری بیماری بھی تھی تو اس کے نتیجے میں موت واقع ہونے پر دشمن کو تضحیک کا موقعہ ضرور مل سکتا تھا اور پیشگوئی کی صداقت پر شک و ابہام کا پردہ پڑ سکتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی غیرت نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ مسیح کی چاردیواری میں بسنے والا کوئی متنفس طاعون کے شبہ میں بھی مارا جائے۔ یہ دو واقعات حسب

ذیل ہیں:۔

ا۔ "ایک دفعہ طاعون کے زور کے دنوں میں جب قادیان میں بھی طاعون تھی مولی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو سخت بخار ہو گیا اور ان کی ظن غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے اور انہوں نے مرنے والوں کی طرح وصیت کر دی اور مفتی محمد صادق صاحب کو سمجھا دیا اور وہ میرے گھر کے ایک حصہ میں رہتے تھے جس گھر کی نسبت یہ الہام ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ تب میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ ان کو پریشان اور گھبراہٹ میں پا کر میں نے ان کو کہا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو پھر میں جھوٹا اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کی نبض پر ہاتھ لگایا۔ یہ عجیب نمونہ قدرت الٰہی دیکھا کہ ہاتھ لگنے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد پایا کہ تپ کا نام و نشان نہ تھا۔" (تاریخ احمدیت ۲۲۴)

۲۔ "میں نے کئی دفعہ ایسی منذر خوابیں دیکھیں جن میں صریح طور پر یہ بتلایا گیا تھا کہ میر ناصر نواب جو میرے خسر ہیں ان کے عیال کے متعلق کوئی مصیبت آنے والی ہے------ میں دعا میں لگ گیا اور وہ اتفاقاً مع اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے گھر کے لوگوں کے لاہور جانے کو تھے میں نے ان کو یہ خوابیں سنا دیں اور لاہور جانے سے روک دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ چڑھ گیا اور سخت گھبراہٹ شروع ہو گئی اور دونوں طرف بن ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہو گیا کہ طاعون ہے کیونکہ اس ضلع کے بعض مواضع میں طاعون پھوٹ پڑی ہے۔ تب معلوم ہوا

کہ مذکورہ بالا خوابوں کی تعبیر یہی تھی اور دل میں سخت غم پیدا ہوا اور میں نے میر صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہہ دیا کہ میں تو دعا کرتا ہوں آپ بہت توبہ اور استغفار کریں کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنے گھر میں بلایا ہے اور یہ کسی لغزش کی طرف اشارہ ہے اور اگرچہ میں جانتا تھا کہ موت فوت قدیم سے ایک قانون قدرت ہے لیکن یہ خیال آیا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے گھر میں کوئی طاعون سے مرگیا تو ہماری تکذیب میں شور قیامت برپا ہو جائے گا اور پھر گو میں ہزار نشان بھی پیش کروں تب بھی اس اعتراض کے مقابل پر کچھ بھی ان کا اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں صدہا مرتبہ لکھ چکا ہوں اور ہزارہا لوگوں میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ طاعون کی موت سے بچے رہیں گے۔ غرض اس وقت جو کچھ میرے دل کی حالت تھی میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں فی الفور دعا میں مشغول ہو گیا اور بعد دعا کے عجیب نظارہ قدرت دیکھا کہ دو تین گھنٹہ میں خارق عادت کے طور پر اسحاق کا تپ اتر گیا اور گلٹیوں کا نام و نشان بھی نہ رہا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ پھرنا' چلنا' کھیلنا' دوڑنا شروع کر دیا گویا کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی تھی۔ یہی ہے احیائے موتی۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کے احیائے موتی میں اس سے ایک ذرہ کچھ زیادہ نہ تھا۔"

(تاریخ احمدیت صفحہ ۲۲۵)

چوتھی شق۔ جماعت احمدیہ کی عمومی حفاظت کا وعدہ

اب ہم پیشگوئی

کی چوتھی شق کو لیتے ہیں جس میں جماعت احمدیہ کی عمومی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس دعویٰ میں اولیت حاصل تھی کہ یہ طاعون چونکہ عذاب الٰہی ہے اس لئے اس کا روحانی علاج ہی تجویز ہونا چاہئے۔ لیکن حضور علیہ السلام کے اس دعویٰ کے بعد بکثرت دوسرے مذاہب اور فرقوں کے رہنما بھی اس نقطہ نگاہ میں آپ سے متفق ہو گئے البتہ اس اصل کو تسلیم کرتے ہوئے جو نتیجہ نکالا وہ بالکل مختلف تھا۔ گو سبھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ اس عذاب سے بچنے کے لئے کوئی روحانی علاج ہی تجویز ہونا چاہئے لیکن ان میں سے ہر ایک الگ الگ اور مختلف روحانی علاج تجویز کر رہا تھا جس کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر مذہبی مقابلہ کی ایک دلچسپ صورت پیدا ہو گئی۔ خصوصاً پنجاب کی سرزمین تو اس پہلو سے ایک وسیع مذہبی اکھاڑے میں تبدیل ہو گئی جس کی مٹی کو بلائے طاعون نے ہل چلا چلا کر اس مقصد کے لئے نرم اور ساز گار بنا رکھا تھا۔ طاعون سے بچنے کے لئے جو مختلف نسخہ جات منظر عام پر آ رہے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اور مسلمان لوگ جیسا کہ میاں شمس الدین سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کے اشتہار سے سمجھا جاتا ہے جس کو انہوں نے ماہ حال یعنی اپریل ۱۹۰۲ء میں شائع کیا ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام فرقے مسلمانوں کے شیعہ سنی مقلد غیر مقلد میدانوں میں آ کر اپنے اپنے طریقہ مذہب میں دعائیں کریں اور ایک ہی تاریخ میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں تو بس یہ ایسا نسخہ ہے کہ معاً اس سے طاعون دور ہو جائے گی مگر اکٹھے کیونکر ہوں اس کی کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی۔ ظاہر ہے کہ فرقہ وہابیہ کے مذہب کے رو سے تو بغیر فاتحہ خوانی کے نماز درست ہی نہیں۔ پس اس صورت میں ان کے ساتھ

حنفیوں کی نماز کیونکہ ہو سکتی ہے۔ کیا باہم فساد نہیں ہو گا؟ ماسوا اس کے اس اشتہار کے لکھنے والے نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ ہندو اس مرض کے دفعیہ کے لئے کیا کریں۔ کیا ان کو اجازت ہے یا نہیں کہ وہ بھی اس وقت اپنے بتوں سے مدد مانگیں اور عیسائی کس طریق کو اختیار کریں اور جو فرقے حضرت حسین یا علی رضی اللہ عنہ کو قاضی الحاجات سمجھتے ہیں اور محرم میں تعزیوں پر ہزاروں درخواستیں مرادوں کے لئے گزارا کرتے ہیں اور یا جو مسلمان سید عبدالقادر جیلانی کی پوجا کرتے ہیں یا جو شاہ مدار یا سخی سرور کو پوجتے ہیں وہ کیا کریں؟ اور کیا اب یہ تمام فرقے دعائیں نہیں کرتے؟ بلکہ ہر ایک فرقہ خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے معبود کو پکار رہا ہے-----

یہ تو مسلمانوں کے خیالات ہیں جو طاعون کو دور کرنے کے لئے سوچے گئے ہیں اور عیسائیوں کے خیالات کے لئے ابھی ایک اشتہار پادری وائٹ بریخت صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دور کرنے کے لئے اور کوئی تدبیر کافی نہیں بجز اس کے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آئیں۔

اور ہندوؤں میں سے جو آریہ لوگ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ بلائے طاعون وید کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے تمام فرقوں کو چاہئے کہ ویدوں کی سبت ودیا پر ایمان لاویں اور تمام نبیوں کو نعوذ باللہ مفتری قرار دیں تب اس تدبیر سے طاعون دور ہو جائے گی۔ اور ہندوؤں میں جو سناتن دھرم فرقہ ہے اس فرقہ میں دفع طاعون کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اگر ہم پرچہ اخبار عام نہ

پڑھتے تو شاید اس عجیب رائے سے بے خبر رہتے اور وہ رائے یہ ہے کہ یہ بلائے طاعون گائے کی وجہ سے آئی ہے۔ اگر گورنمنٹ یہ قانون پاس کردے کہ اس ملک میں گائے ہرگز ہرگز ذبح نہ کی جائے تو پھر دیکھئے کہ طاعون کیونکہ دفع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اسی اخبار میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے گائے کو بولتے سنا کہ وہ کہتی ہے کہ میری وجہ سے ہی اس ملک میں طاعون آیا ہے۔"

(ماخوذ از دافع البلاء ص ۱۸۔۱)

ان مختلف روحانی نسخہ جات کے بعد آپ نے اس بارہ میں اپنا موقف حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:۔

اس بیماری کے دفع کے لئے وہ پیغام جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگ مجھے سچے دل سے مسیح موعود مان لیں۔"

(ماخوذ از دافع البلاء ص ۱۸۔۱)

آیئے اب ہم دیکھیں کہ اس بلائے طاعون کی خود اپنی ادائیں کیا کہتی تھیں۔ عذاب الٰہی کے سے بامقصد اور سنجیدہ آداب تھے یا حوادث زمانہ کے سے لاابالی اور بے نظم و ضبط اطوار۔ اس زاویہ نگاہ سے واقعات کا ایک سرسری جائزہ لینے سے ہی یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اس طاعون کی روش اتفاقی حوادث کے تابع نہیں تھی بلکہ عذاب الٰہی کی بالاتر تقدیر کے ماتحت تھی۔ حوادث کا قانون تو اندھا ہوتا ہے' نیک و بد میں تمیز نہیں جانتا۔ سچے اور جھوٹے میں فرق نہیں کر سکتا بلکہ سب پر یکساں جاری ہوتا ہے لیکن طاعون کی یہ وباء اندھی نہ تھی۔ سچے اور جھوٹے میں فرق کرکے دکھاتی تھی۔ اس کی پکڑ کا اصول سب پر یکساں جاری نہ تھا۔ بعضوں کو غیر معمولی سختی سے پکڑتی تھی اور بعضوں سے بڑی ملائمت کا سلوک کرتے ہوئے صرف نظر کر جاتی تھی۔

اس نے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں ایسا صاف اور بین فرق کر کے دکھایا کہ ایک زمانہ گواہ ٹھہرا اور وہ گواہیاں صفحہ ہستی پر ایک ایسا پائیدار نقش بن گئیں جو اس دعویدار کی صداقت پر گویا بولتی ہوئی تصویریں تھیں۔ اگر یہ بیماری طبعی حوادث کا نتیجہ ہوتی تو بلاشبہ اسے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے متبعین سے بھی ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے تھا جیسا اس نے دوسرے معالجین روحانی سے کیا۔ احمدی بستیاں بھی ویسے ہی اجڑ جاتیں جیسے دوسری بستیاں اجڑ رہی تھیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گلشن احمدیت پر تباہی آنی چاہئے تھی۔ حضرت اقدس علیہ السلام اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کے دعاوی میں ایک بہت بڑا اور بنیادی فرق تھا۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خاص خبر پا کر یہ علاج تجویز کر رہا ہے۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مجوزہ روحانی علاج کی ناکامی کی صورت میں ان کے مرید اور حلقہ بگوش اپنے مذہب ہی سے ارتداد اختیار کر جاتے لیکن حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا معاملہ کچھ اور تھا۔ آپ اگر اپنے دعویٰ میں جھوٹے نکلتے تو بلاشبہ آپ کی ساری جماعت بدظن اور مرتد ہو کر اپنے آبائی فرقوں کی طرف لوٹ جاتی۔ وہ آپ کے گرد جمع ہی اس بنا پر ہوئے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے آپ کو زمانے کا امام بنا کر بھیجا ہے۔ محض اس یقین کی بناء پر تو انہوں نے ایک ایسا مسلک اختیار کیا تھا جس کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ احمدی ہوتے ہی اپنے پرائے ہو جاتے تھے۔ آشنا بیگانے بن جاتے تھے۔ بسا اوقات اپنے گھروں سے نکالے جاتے اور وطنوں سے بے وطن کئے جاتے۔ جہاں نثار دوست خون آشام دشمن بن جاتا۔ باصفا مرید خشمناک معاند میں تبدیل ہو جاتا۔ اموال لوٹ لئے جاتے۔ جائدادیں چھینی جاتیں۔ یہاں تک کہ بیوی بچے بھی الگ کر دیئے جاتے جو چیزیں خدا تعالیٰ نے ان پر حلال

رکھی تھیں بندے ان پر حرام کر دیتے۔ چیزوں کا تو ذکر کیا خود زندگی حرام ہو جاتی۔ عزتیں ذلتوں میں بدل جاتیں۔ پھول پتھروں' اکرام و احترام کے القابات غلیظ گالیوں میں تبدیل کر کے کوڑا کرکٹ کی طرح ان پر صبح و شام انڈیلے جاتے۔ یہ تھی وہ جماعت جو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے گرد اکٹھی ہوئی تھی۔ اور یہ وہ قیمت تھی جو ایمان کا سودا چکاتے ہوئے انہوں نے ادا کی تھی۔ کیوں؟ محض اس لئے اور محض اس لئے اور محض اس لئے کہ وہ اسے خدا کا فرستادہ سمجھتے تھے اور یقین جانتے تھے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے رب کی طرف سے کہتا ہے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ایک ایسی جماعت جو انتہائی صبر آزما اور پر آزار ابتلاؤں کی سختیاں محض اس بناء پر برداشت کر رہی ہو کہ وہ ایک دعویدار کو خدا تعالیٰ کا سچا مرسل سمجھتی ہو۔ اگر اچانک یہ مشاہدہ کرے کہ اس شخص کا خدا تعالیٰ سے ہمکلامی اور نصرت الٰہی کے مورد ہونے کا دعویٰ محض ایک ڈھکوسلا تھا تو کیا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی مزید اس کی تائید و تصدیق کا دم بھر سکتی تھی۔ اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ جھوٹا نکلتا کہ طاعون احمدیوں کے ساتھ ایک نمایاں اور امتیازی سلوک کرے گی اور اکا دکا واقعات کے سوا عموماً احمدی اس کی زد سے محفوظ رہیں گے تو احمدیوں کا کیا سر پھر گیا تھا کہ عذاب کی دوہری چکی میں پیسے جاتے۔ دنیا کا عذاب بھی سہیڑتے اور الٰہی عذاب کا مورد بھی بنتے۔ انسانی بغض و عناد کی آگ میں بھی جلتے اور حوادث کی چکی میں بھی پیسے جاتے۔ کیا کوئی صاحب عقل ایک منٹ کے لئے بھی اس بعید از قیاس مفروضہ پر یقین کر سکتا ہے کہ طاعون کے زمانہ میں دنیا کے دھتکارے ہوئے' مارے کوٹے' گھروں سے نکالے ہوئے' برادریوں سے خارج کئے ہوئے' زمانے کے ستائے ہوئے' ٹوٹے ہوئے' دل جلائے ہوئے احمدی بستی بستی یہ اعلان کرتے پھرتے ہوں کہ اے دنیا والو! اگر طاعون کے اس ہولناک

سیلاب سے بچنا چاہتے ہو تو آؤ تم بھی ہماری طرح نوح زمانہ کی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ جس میں ہم سوار ہیں۔ اور اس اعلان کے ساتھ ساتھ طاعون کی ہلاکت خیز موجیں انہیں بھی اسی طرح لقمہ اجل بناتی چلی جائیں جس طرح دوسروں کی بناتی تھیں۔ کیا یہ ممکن تھا کہ دنیا انہیں پہلے سے کہیں بڑھ کر طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناتی؟

ایک منٹ کے لئے نہیں کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی صاحب رشد یہ سوچ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں کوئی احمدی بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا دم بھرنے والا باقی رہ جاتا؟ یقیناً نہیں۔ آپ کے مبینہ افتراء پر طاعون زدہ علاقوں میں اس سے زیادہ قطعی اور اس سے زیادہ معتبر کوئی اور گواہ سوچا نہیں جا سکتا تھا۔ آپ کے خلاف طاعون کی یہ گواہی اتنی قطعی' اتنی حقیقی اور اتنی نزدیک اور قوی اور شدید ہوتی کہ کسی متنفس میں یہ ہمت اور استطاعت نہ ہوتی کہ اس کا انکار کر سکے۔

پس اس پر آشوب زمانہ میں جماعت احمدیہ کا غیر معمولی استقامت اختیار کرنا اور حضرت اقدس علیہ السلام کے تمام دعاوی پر استقامت سے مہر تصدیق ثبت کرنا اس امر کا ناقابل تردید گواہ ہے کہ افراد جماعت نے اپنے حق میں حضور علیہ السلام کے اس وعدہ کو پورا ہوتے دیکھا ہوگا کہ وہ طاعون کی زد سے غیر معمولی طور پر محفوظ رہیں گے۔

آج کے متلاشی حق کے لئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے طاعون کی پیشگوئی کے سچا یا جھوٹا نکلنے کی صورت میں دو ہی راستے رہ جاتے تھے ایک وہ جو احمدیت میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ واقعاتی شہادت کی مشعل ہاتھ میں لئے ہوئے جب ہم مخالف سمتوں میں چلنے والی ان دو یکطرفہ راہوں پر نظر ڈالتے ہیں تو احمدیت سے نکل بھاگنے والی راہ کو سنسان اور

ویران پاتے ہیں لیکن احمدیت میں داخل ہونے والی رہ پر خلائق کا ایسا ہجوم دیکھتے ہیں کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ جوق در جوق لوگ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور ایسے علاقوں میں بھی بکثرت نئی جماعتیں پیدا ہو رہی ہیں جہاں مخالفت کی شدت کے باعث اس سے قبل سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ طاعون کا ڈنڈا دنیا کی مخالفتوں کے مقابل پر زیادہ سخت ثابت ہوا پس یہی ڈنڈا جیتا اور پیہم شدید ضربات کے ساتھ احمدیت کی چاردیواری سے باہر کے بسنے والوں پر برستا رہا یہاں تک کہ ہزار ہا بلکہ لاکھوں انسانوں نے عافیت اور امان اسی میں دیکھی کہ حصار احمدیت میں داخل ہو جائیں۔

ہمارے اس دعویٰ کی صداقت کسی کاغذی شہادت کی محتاج نہیں۔ پنجاب کے طاعون زدہ علاقوں میں وہ تمام دیہات اس امر کا زندہ ثبوت ہیں جہاں احمدیت کا پودا اذن الٰہی کے ماتحت طاعون کے ہاتھوں لگایا گیا۔ اسی طرح وہ تمام احمدی جماعتیں اس دعویٰ کی صداقت پر مزید گواہی دے رہی ہیں جو طاعون سے پہلے قائم ہو چکی تھیں لیکن طاعون کے نتیجہ میں کم ہونے کی بجائے اور بھی زیادہ نشوونما پانے لگیں۔ پس کیا یہ تعجب کی بات نہیں اور کیا اسے حادثہ طبعی قرار دینا کسی بھی منطق کی رو سے درست ہوگا۔ سیاہ موت کا یہ ہاتھ ہر دوسری سرزمین پر تو موت کے بیج بکھیرتا رہے لیکن احمدیت کی سرزمین میں داخل ہو تو زندگی کے پودے لگانے لگے۔ یہ صرصر جب دوسرے چمنستانوں پر چلے تو انہیں اجاڑنے اور ویران کرنے لگے لیکن جب صحن احمدیت میں داخل ہو تو ایک زندگی بخش باد بہار میں تبدیل ہو جائے جس سے چمن کا بوٹا بوٹا پتہ پتہ راضی ہو جائے۔ نئے شگوفے پھوٹنے لگیں، نئی کونپلیں نمودار ہونے لگیں، نئے پھول کھلنے لگیں نئے پھل آنے لگیں، روش روش پر زندگی انگڑائیاں لے اور سر سبزی و شادابی نچھاور ہو اور زبان حال سے طیور چمن مسیحائے زمان کے یہ

نغمات الاپنے لگیں۔ ؎

بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں
لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں
ملاحت ہے عجب اس دلستان میں
ہوئے بدنام ہم اس سے جہاں میں
ہوا مجھ پر وہ ظاہر میرا ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

یہ کیسی بلائے زمانہ تھی' یہ کیسا حادثہ طبعی تھا کہ احمدیت کو کم کرنے کی بجائے اور بھی بڑھا گیا دشمنان احمدیت کو بڑھانے کی بجائے کم کر گیا اور کمتر کرتا چلا گیا یہ سلوک' یہ اطوار' یہ ادائیں تو بلاشبہ ایسے عذاب الٰہی کی نشاندہی کر رہے ہیں جو اپنے اور غیروں میں ہمیشہ امتیاز کیا کرتا ہے۔

کوئی ہم پر شاعری کا الزام نہ دھرے اور مضمون آفرینی کے طعنے نہ دے۔ تاریخ احمدیت کا یہ دور ہی کچھ ایسا وجد آفرین ہے کہ اس کے نظارے سے طبیعت جھومنے لگتی ہے اور قلم روش روش پر دوڑتا ہے اور قابو میں نہیں رہتا۔ پس قارئین مجھے طرز تحریر کی اس تھوڑی سی تبدیلی پر معاف کریں اور معذور جانیں۔ یہ مشاہدہ بہت ہی' ہیجان خیز ہے کہ وقت کا پہیہ اپنے ابدی سفر کے دوران جب طاعون کی خشمگیں فضا میں سے گزرے تو ہر دوسرے مذہب اور فرقے کو تو کمزور اور چھوٹا کر جائے لیکن احمدیت کو پہلے سے بھی بڑھ کر طاقتور اور کثیر التعداد بنا دے۔

لامذہب لوگوں کی طرف سے اس موقعہ پر ایک اعتراض یہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ خوف کے عام قانون کے تابع ایسا ہوا ہو۔ جب دنیا پر کوئی بڑی اور عام تباہی آتی ہے تو بالعموم زود اعتقاد عوام اس قسم کا رد عمل دکھایا ہی

کرتے ہیں۔ عوام تو عوام خواص بھی ایسے موقعوں پر یہ توہمات کا شکار ہو جاتے ہیں حتی کہ جان بچانے کے لئے تنکوں کے سہارے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ پس ممکن ہے اس قسم کی کوئی نفسیاتی کیفیت ان دنوں احمدیت کی طرف میلان کا محرک بنی ہو۔ یہ اعتراض بظاہر بڑا وزنی نظر آتا ہے لیکن جب ہم اسے حقائق کی میزان پر تولتے ہیں تو وزن میں خس کے ایک چھوٹے سے تنکے سے بھی کمتر پاتے ہیں۔ احمدیت کی طرف سے اس اعتراض کے جواب میں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر خوف و ہراس کی کوئی عام نفسیاتی کیفیت ہی احمدیت کی طرف لوگوں کے رجحان کی ذمہ دار تھی تو اس عام نفسیاتی کیفیت نے دوسرے مذاہب اور فرقوں کی مدد کیوں نہ کی اور کیوں عوام و خواص کی زود اعتقادی صرف احمدیت کی جانب ہی مائل رہی؟ احمدیت اس دعویٰ میں تنہا تو نہ تھی کہ صرف وہی امن کا نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ گذر چکا ہے ہر مذہب اور فرقے نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور گھبرائی ہوئی' خوف زدہ اور بدکی ہوئی حواس باختہ انسانیت کو امن اور حفاظت کا وعدہ دے کر اپنی طرف بلایا۔ ان کی طرف جانے والی راہیں بظاہر زیادہ کشادہ تھیں اور کم بے خطر۔ ان راہوں میں ابتلاء اور مخالفتوں اور شدید دشمنیوں کے ویسے کانٹے نہ تھے جیسے احمدیت کی راہ میں بچھے ہوئے تھے۔ قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ متحرک چیزیں کم تر مدافعت اور مزاحمت کی راہیں اختیار کیا کرتی ہیں۔ پانی ڈھلوان ہی کی طرف بہتا ہے۔ دوسرے فرقوں یا مذاہب کو قبول کرنا احمدیت کی نسبت کہیں زیادہ آسان تھا اور اپنے پہلے مذہب پر ہی جمے رہنا اس سے بھی آسان تر پھر کیوں ایسا نہ ہوا کہ اور کیوں زود اعتقادی کا پانی ان طبعی آسان تر ڈھلوانوں کو چھوڑ کر احمدیت کی پر مشقت اور صبر آزما چڑھائی کی طرف بہنے لگا۔ لازماً کوئی مختلف اور قوی تر محرک اس سمت میں کام کر رہا تھا جو

اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ جس شخص کو بھی قریب سے احمدیت کے حالات دیکھنے کا موقع ملا اس نے یہ فرق مشاہدہ کیا کہ طاعون احمدیوں کے ساتھ نمایاں امتیازی سلوک کرتی ہے اور دوسروں میں اگر ۱۰ فیصدی اموات ہیں تو احمدیوں میں ۱۰-۱ فیصدی بھی نظر نہیں آتیں۔

اگر ہمارے طرز استدلال کو قبول کرنے پر کوئی طالب حق ابھی تک متردد ہو اور مزید عقلی اور نقلی ثبوت کا مطالبہ کرے تو اس کے دل کی تسلی کے لئے ہم یہ راہ تجویز کرتے ہیں کہ سارے مشرقی یا مغربی پنجاب میں کسی ایک بھی ایسی ہندو' عیسائی' شیعہ' سنی' چکڑالوی' دیو بندی' اہل حدیث یا بریلوی بستی کی تلاش کر کے دکھائے جو طاعون کے زمانہ میں اپنا آبائی مذہب یا فرقہ ترک کر کے محض اس لئے ہندو' عیسائی' شیعہ' سنی' چکڑالوی' دیو بندی' اہلحدیث یا بریلوی ہو گئی ہو کہ اسے اپنے پہلے مذہب یا فرقے کے مقابلہ پر اسے نئے مذہب یا فرقہ میں بلائے طاعون سے بچنے کے زیادہ امکانات نظر آتے تھے۔ اگر کوئی ایسی بستی تلاش نہ کر سکے اور یقیناً نہیں کر سکے گا تو ہمارے پاس آئے ہم اسے سینکڑوں ایسی جماعتیں دکھائیں جو طاعون کے زمانے میں طاعون کے خوف سے امن میں آنے کی خاطر معرض وجود میں آئیں یا جن میں احمدیت اس مشاہدہ کے نتیجہ میں پہلے سے زیادہ پھیلنے لگی کہ طاعون احمدیت سے خاص رعایت کا سلوک کرتی تھی۔ ہم یہ بستیاں دکھا کر ہر شک کرنے والے فرقہ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آخر کیوں ایک عام نفسیاتی خوف و ہراس اور زود اعتقادی نے ساری دنیا کے بڑے بڑے طاقتور مذاہب اور فرقے چھوڑ کر احمدیت کی ایک چھوٹی سی غریب جماعت کا رخ کیا۔ اہل بصیرت کے لئے کیا اس میں کوئی نشان نہیں؟۔

آخر پر آج کے متلاشی حق کے لئے ہم تحقیق کی ایک یہ راہ بھی تجویز کرتے

ہیں کہ اس زمانہ میں احمدیت کے لٹریچر اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں جن احمدی بزرگان اور علماء کا ذکر آتا ہے ان کی فہرست تیار کر کے ان کے حالات زندگی کا جب وہ تتبع کریگا تو کسی کو طاعونی موت کا شکار نہ پائے گا۔ لیکن اس کے برعکس معاندین احمدیت کی فہرست تیار کر کے اگر وہ اس کسوٹی پر ان کو پرکھے گا تو یہ دیکھ کر یقیناً حیران رہ جائے گا کہ ان میں سے متعدد معروف معاندین مرض طاعون کا شکار ہو گئے بلکہ بعض تو ایسے غیر معمولی حالات میں طاعون کا شکار ہوئے کہ جماعت احمدیہ کے لئے ان کی موت میں تقویت ایمان اور غیروں کے لئے غیرت کا سامان تھا۔ قادیان کے ان آریہ اخبار نویسوں کا ذکر گذر چکا ہے جنہوں نے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے دعوے کا مذاق اڑاتے ہوئے طاعون کے متعلق تعلی کی تھی۔ اب چند اور معاندین احمدیت کی فہرت بطور مثال پیش کی جاتی ہے:۔

۱۔ سب سے پہلے مولوی رسل بابا باشندہ امرتسر ذکر کے لائق ہے جس نے میرے رد میں کتاب لکھی اور بہت سخت زبانی دکھائی۔۔۔۔۔ آخر خدا کے وعدہ کے موافق طاعون سے ہلاک ہوا۔

(حقیقۃ الوحی ص ۳۱۲)

۲۔ محمد بخش نام جو ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ تھا عداوت اور ایذاء رسانی پر کمر بستہ ہوا وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۳۶)

۳۔ چراغدین نام ساکن جموں اٹھا جو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تھا جس نے میرا نام دجال رکھا اور کہتا تھا حضرت نے عصا دیا ہے تا میں عیسیٰ کے عصا سے اس دجال کو ہلاک کروں۔ سو وہ بھی میری پیشگوئی کے مطابق ۴ اپریل ۱۹۰۶ء کو مع اپنے دنوں بیٹوں کے طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۶)

۴۔ نور احمد موضع بھڑی چٹھہ تحصیل حافظ آباد کا باشندہ تھا۔۔۔۔ وہ بول اٹھا کہ طاعون ہمیں نہیں چھوئے گی بلکہ یہ طاعون مرزا صاحب کو ہلاک کرنے کے لئے آئی ہے اور اس کا اثر ہم پر ہرگز نہیں ہوگا مرزا صاحب پر ہی ہوگا۔۔۔۔۔ ایک ہفتہ کے بعد نور احمد طاعون سے مرگئے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۳۷)

۵۔ میاں معراج دین صاحب لاہور سے لکھتے ہیں کہ مولوی زین العابدین جو مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کردہ تھا۔۔۔۔۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا ایک مقرب درس تھا۔ اس نے حضور کے صدق کے بارہ میں مولوی محمد علی سیالکوٹی سے کشمیری بازار میں ایک دکان پر کھڑے ہو کر مباہلہ کیا۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد مرض طاعون سے مرگیا اور نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی طاعون سے مرگئی اور اس کا داماد بھی جو اکو نٹنٹ جنرل میں ملازم تھا طاعون سے مرگیا۔ اس طرح اس کے گھر کے سترہ آدمی مباہلہ کے بعد طاعون سے ہلاک ہو گئے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۳۷)

۶۔ میاں معراج دین لکھتے ہیں کہ ایسا ہی کریم بخش نام لاہور میں ایک ٹھیکیدار تھا وہ سخت بے ادبی اور گستاخی حضور کے حق میں کرتا تھا اور اکثر کرتا ہی رہتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ اس کو سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر جوانی میں ہی شکار موت ہوا۔

۷۔ سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ حافظ سلطان سیالکوٹی حضور کا سخت مخالف تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ارادہ کیا تھا کہ سیالکوٹ میں آپ کی سواری گذرنے پر آپ پر راکھ ڈالے آخر وہ

سخت طاعون سے اسی ۱۹۰۶ء میں ہلاک ہوا اور اس کے گھر کے نو یا دس آدمی بھی طاعون سے ہلاک ہوئے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۳۸)

۸۔ حکیم محمد شفیع (سیالکوٹ) جو بیعت کر کے مرتد ہو گیا تھا جس نے مدرسۃ القران کی بنیاد ڈالی تھی آپ کا سخت مخالف تھا۔ آخر وہ بھی طاعون کا شکار ہوا اور اس کی بیوی اور اس کی والدہ اور اس کا بھائی سب یکے بعد دیگرے طاعون سے مرے اور اس کے مدرسے کو جو لوگ امداد دیتے تھے وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۳۸)

۹۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی جو اپنی گندہ زبانی اور شوخی میں بہت بڑھ گیا تھا---- وہ بھی سخت طاعون میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوا۔ ایک دن اس نے شوخی سے جماعت احمدیہ کے ایک فرد کو کہا کہ کیوں طاعون طاعون کرتے ہو ہم تو تب جانیں کہ ہمیں طاعون ہو پس اس سے دو دن بعد طاعون سے مرگیا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۲۔۲۳۸)

۱۰۔ مولوی محمد ابوالحسن نے حضرت اقدس کے خلاف کتاب "بجلی آسمانی بر سر دجال قادیانی" لکھی جس میں کئی مقامات پر کاذب کی موت کے لئے بد دعا کی آخر جلد ہی طاعون سے مرگیا---- دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ انیس دن تک پلیگ میں مبتلاء رہ کر چیخیں مارتے رہے اور نہایت دردناک حالت میں جان دی۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم ص ۹۲۔۴۹۱)

۱۱۔ ابوالحسن عبدالکریم نام نے جب اس کتابؑ کا دوسرا ایڈیشن

شائع کرنا چاہا تو وہ بھی طاعون کا شکار ہو گیا۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم ص ۴۹۲)

۱۲۔ ایک شخص فقیر مرزا دوالمیال ضلع جہلم کا رہنے والا تھا اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بہت کچھ بد زبانی کر کے یہ تحریری پیشگوئی کی کہ "مرزا غلام احمد صاحب کا سلسلہ ۲۷۔ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ تک ٹوٹ پھوٹ جاوے گا اور بڑی بڑی سخت درجہ کی ذلت وارد ہو گی جسے تمام دنیا دیکھے گی۔ یہ پیشگوئی ۷۔ رمضان کو لکھی گئی تھی۔ سو اگلے سال جب دوسرا رمضان آیا تو اس کے محلہ میں طاعون نمودار ہو گئی۔ پہلے اس کی بیوی اور پھر خود فقیر مرزا سخت طاعون میں مبتلا ہو گیا۔ آخر پورے ایک سال بعد یعنی ۷۔ رمضان کو بتاریخ ۱۴۔ نومبر ۱۹۰۴ء ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھتا ہوا اٹھ گیا۔ (تاریخ احمدیت صفحہ ۴۹۲)

۱۳۔ ایک شخص عبدالقادر نام ساکن طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور میں رہتا تھا..... اس کو مجھ سے سخت عناد اور بغض تھا اور ہمیشہ مجھے گندی گالیاں دیتا تھا۔ پھر جب اس کی گندہ زبانی انتہا تک پہنچ گئی تب اس نے مباہلہ کے طور پر ایک نظم لکھی..... جس میں اس نے سخت سے سخت فسق و فجور کی باتیں میری طرف منسوب کی ہیں..... ایسا ہی خدا نے جلد تر انصاف کر دیا اور ان شعروں کے لکھنے کے چند روز بعد یعنی بعد تصنیف ان شعروں کے وہ شخص یعنی عبدالقادر طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ مجھے اس کے ایک شاگرد کے ذریعہ سے دستخطی تحریر اس کی مل گئی اور نہ صرف اکیلا طاعون سے ہلاک ہوا بلکہ اور بھی اس کے بعد عزیز طاعون سے مر گئے۔ ایک

داماد بھی مرگیا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۸۴)

۱۴۔ یہاں مدپر طاعون کے حملہ کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مد کے رہنے والوں نے چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خود بلوا کر گالیاں دلوائیں اور ان کو شرارت سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لئے پانچ چھ ماہ بعد یہاں طاعون کا سخت حملہ ہوا اور دو اڑھائی سو کی آبادی میں سے مئی ۱۹۰۳ء تک ایک سو تیس افراد اس کا شکار ہو کر لقمہ اجل ہو گئے۔ ۱۹۱۰ء میں دوبارہ مد میں طاعون کا زور ہوا اور گاؤں کی عورتوں نے ملانوں کو سخت ست کہا کہ انہوں نے مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو بلوا کر مرزا صاحب کے حق میں سخت گوئی کی اور وبا پھیلی۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۳۷۔۲۳۸)

۱۵۔ ۱۹۰۷ء میں جو معاند طاعون کا شکار ہوئے ان میں سے سب سے زیادہ بدگو مولوی سعد اللہ لدھیانوی نو مسلم تھا..... اس شخص نے ابتداء ہی سے سلسلہ کی مخالفت انتہا تک پہنچادی تھی اور سب وشتم سے بھری ہوئی تحریرات نظم ونثر میں شائع کیں۔ اسی پر اکتفانہ کرتے ہوئے سعد اللہ لدھیانوی نے اپنی کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" میں حضور علیہ السلام کی ہلاکت وتباہی کی پیشگوئی کی۔

یعنی خدا کی طرف سے تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگ جان کاٹ دے گا۔ تب تیرے مرنے کے بعد تیرا جھوٹا سلسلہ تباہ ہو جائے گا اور اگرچہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے دن نیز اس دنیا میں نامراد رہے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۲۹۔

دسمبر ۱۸۹۴ء کو بذریعہ الہام خبر دی اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی (اسد اللہ) تیرا دشمن ابتر اور مقطوع النسل مرے گا..... حضور کی بددعا اور اس الہام پر ابھی صرف چند راتیں ہی گزری تھیں کہ سعد اللہ کو جنوری ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں پلیگ ہوا اور وہ ہزار حسرتوں کے ساتھ اس جہان سے چل بسا۔ اس کے لڑکے کی نسبت حاجی عبدالرحیم کی دختر سے ہو چکی تھی اور عنقریب شادی ہونیوالی تھی اسے یہ بھی نصیب نہ ہوا کہ اپنے اکلوتے لڑکے کی شادی دیکھ لیتا۔ سعد اللہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے نے گو شادی کرلی مگر لمبا عرصہ زندہ رہنے کے باوجود تمام عمر لاولد رہ کر ۱۲۔ جنوری ۱۹۲۶ء کو موضوع کرم کلاں میں فوت ہو گیا۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم ص ۴۹۲ تا ۴۹۵)

چوتھی شق۔ طاعون کے زائل ہونے کیلئے قبول احمدیت کی شرط

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے طاعون کی وباء کو اپنی صداقت کے گواہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس وباء کا ایک امتیازی کردار یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ یہ اس وقت تک نہیں ٹلے گی جب تک لوگ آپ کو قبول نہیں کریں گے۔ پیشگوئی کا یہ حصہ بھی جیسا کہ شق نمبر ۲ میں گذر چکا ہے بڑے وسیع پیمانے پر بڑی وضاحت کے ساتھ پورا ہوا۔ خصوصاً پنجاب کی سرزمین میں جو پیشگوئی کا اولین مصداق تھی طاعون کے نتیجہ میں اس کثرت سے احمدیت کی طرف رجحان ہوا کہ احمدیت کی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔ یعنی قبول احمدیت کی وجوہات کا

اگر علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے تو اس مقابلہ میں طاعون غالباً ہر دوسری وجہ پر سبقت لے جائے گا۔ اس ضمن میں تاریخ احمدیت سے ایک چھوٹا سا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے جس سے قبول احمدیت کے ضمن میں طاعون کے اثرات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

"جیسا کہ حضور نے پیشگوئی فرمائی تھی جماعت سے بھی خارق عادت سلوک ہوا جس کے نتیجہ میں جماعت کی ان دنوں اتنی غیر معمولی ترقی ہوئی کہ اس کی تعداد ہزاروں سے نکل کر ۱۹۰۲ء میں ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۰۳ء میں اس کثرت سے لوگ آپ کے مبائعین میں شامل ہوئے کہ اخبار الحکم کو مجبوراً نئے مبائعین کی فہرست کا کالم ہی بند کر دینا پڑا۔ ۱۹۰۴ء میں یہ تعداد دو لاکھ تک اور ۱۹۰۶ء چار لاکھ تک پہنچ گئی۔" (تاریخ احمدیت جلد سوم ص ۲۲۲)

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ملک کی اکثریت تو بہر حال ایمان نہیں لائی پھر ہزار ہا انسانوں یا ایک دو لاکھ انسانوں کے قبول احمدیت کے نتیجہ میں طاعون کا ٹل جانا کیا معنی رکھتا ہے اور کیا یہ پیشگوئی کے مدعا اور روح کے منافی ہیں؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عذاب الٰہی کے ٹلنے کے لئے اکثریت کے ایمان کی نہ تو کوئی شرط قرآن کریم میں نظر آتی ہے نہ ہی تاریخ مذہب پر نگاہ ڈالنے سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے اس کے برعکس ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ قوم کے ایک حصہ کے استغفار یا ایمان لانے کے نتیجہ میں عذاب ٹل گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور واقعہ بھی اسی پہلو سے فلسفہ عذاب پر روشنی ڈالتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک مکالمہ و مخاطبہ کی صورت میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک ایسی بستی کو جس کے لئے عذاب مقدر ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ اس صورت میں بھی بچانے پر آمادہ تھا کہ

وہاں چند بندے ہی خدا کا خوف رکھنے والے موجود ہوں۔

پس طاعون کی وباء کے دوران چار لاکھ کے قریب انسانوں کا مامور وقت پر ایمان لانا کوئی معمولی اور ناقابل اعتناء واقعہ نہیں اور اس کے نتیجہ میں طاعون کے عذاب کا بالآخر ٹل جانا نہ تو سنت اللہ کے خلاف ہے نہ پیشگوئی کی صداقت پر حرف لانے کا موجب بن سکتا ہے تاہم اس موقعہ پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ ہمارا عذاب ٹلنے سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چند لوگوں کے استغفار سے سلسلہ عذاب ہی ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا جاتا ہے۔ محض ایک عذاب کا استغفار کے نتیجہ میں ٹل جانا اور چیز ہے اور سلسلہ عذاب کا کلیتہ منقطع ہو جانا اور چیز۔ فرعون کی قوم پر جو پے در پے عذاب آئے وہ بعض یا اکثر دلوں میں خوف خدا پیدا ہونے کے نتیجہ میں ٹل جاتے رہے لیکن جب تک وہ آخری مقصد پورا نہ ہوا جو دراصل ان عذابوں کی علت غائی تھا سلسلہ عذاب منقطع نہ ہوا۔ سلسلہ عذاب کا آخری مقصد بہرحال مامور زمانہ کی فیصلہ کن فتح ہوا کرتا ہے۔ یعنی یا تو اکثریت ایمان لے آتی ہے یا اکثریت ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس پہلو سے جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پر مزید نگاہ دوڑائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ طاعون ایک وسیع تر سلسلہ عذاب کی ایک کڑی تھا۔ یہ کڑی زمانہ کے جس دور پر محیط تھی اس دور میں اس نے اپنا مفوضہ کام بڑی عمدگی اور صفائی کے ساتھ سرانجام دیا اور وہاں جا کر رکی جہاں عذاب کی ایک دوسری کڑی نے اس سے ذمہ داری کا علم سنبھال لیا۔ اس نقطہ کو سمجھ کر جب ہم مامورین گزشتہ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک "میڈلے ریس" یعنی ایسی دوڑ کا سا نظارہ دکھائی دیتا ہے جس میں دوڑنے والا جب ایک مقررہ مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا دوسرا ساتھی اس سے جھنڈا لے کر آگے بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر ایک تیسرا ساتھی یہ جھنڈا اس سے لے کر اگلی دوڑ

سنبھال لیتا ہے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس میڈلے ریس میں قرآنی بیان کے مطابق پانچ عذابوں کی ایک ٹیم نے حصہ لیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے پے در پے عذابوں کی خبر دی ہے جو آخر مقصد کے حصول تک ایک دوسرے کے بعد آتے چلے جائینگے' طاعون ان میں سے ایک تھا۔

ایک اور پہلو سے جب ہم طاعون کے عذاب پر نظر ڈالتے ہیں تو پیشگوئی کی زیر نظر شق کے ایک نئے مفہوم کی طرف توجہ مبذول ہو جاتی ہے جو دلچسپ بھی ہے اور ہولناک بھی۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز پیچھا نہیں چھوڑے گی جب تک فلاں بات ظاہر نہ ہو تو جس چیز کا ذکر کیا جا رہا ہو اس کی عادات و اطوار کے مطابق "پیچھا نہ چھوڑے" کے معنوں کی تعیین کی جاتی ہے۔ قبل ازیں یہ ذکر گذرا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی طاعون عذاب الٰہی کے طور پر عیسائیت کی تائید میں ظاہر ہوئی تھی اور اس نے دشمنوں کا پیچھا نہ چھوڑا تاوقتیکہ انہیں مغلوب نہ کر لیا۔ اس تاریخی پس منظر میں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ طاعون نے "پیچھا نہ چھوڑا" تو مراد یہ ہے کہ مسلسل تین صدیوں تک یہ عیسائیت کی تائید میں کرشمے دکھانے اور عیسائیت کو بڑھانے اور دشمن کو کم کرنے کے لئے ظاہر ہوتی رہی۔

طبعاً ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ مسیح اول کے دور کی طرح مسیح ثانی کے دور میں بھی طاعون کے پیچھا نہ چھوڑنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ تاوقتیکہ احمدیت کو فتح نصیب نہ ہو یہ تقریباً ایک ایک سو سال کے وقفے سے عذاب الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوتا رہیگا اور پیچھا نہ چھوڑے گا جب تک کہ احمدیت کی آخری فتح کا منہ دیکھ لے۔ کوئی اور چاہے تو اسے ایک ذوقی استنباط قرار دے

لے مگر میرے دل میں تو گمان غالب یہی ہے کہ اسی طرح ہوگا اور مسیح ثانی کے دور میں بھی طاعون دو یا تین صد سالہ جلوے دکھائے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اگر میرا یہ استنباط درست ہے تو طاعون کی حیثیت عذاب کی ایک کڑی کی نہیں رہتی بلکہ بذات خود ایک سلسلہ عذاب کہلائے گا جو کڑیوں پر مشتمل ہے۔ مزید برآں اگر میرا مندرجہ بالا استدلال درست ہے تو طاعون کی جلوہ نمائی کا دوسرا دور قریب آچکا ہے اور بعید نہیں کہ آئندہ چند سال میں یہ ظاہر ہو جائے اور ۲۰۰۰ عیسوی تک ایک ہولناک عالمگیر وبا کی شکل اختیار کر جائے۔ اگر ایسا ہو تو جماعت احمدیہ کے لئے اس میں تنبیہہ بھی ہے اور بشارت بھی۔ تنبیہہ یہ ہے کہ صرف احمدیت کا عنوان طاعون سے بچانے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ تقویٰ کی شرط بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ایمان کے ساتھ تقویٰ کی زندگی بسر کرنا اور ہر قسم کے تکبر اور نخوت کو ترک کر دینا بھی طاعون سے بچنے کے لوازمات میں شامل ہیں۔ بشارت کا پہلو یہ ہے کہ جماعت میں اس وقت تک جو عملی کمزوریاں آچکی ہوں گی طاعون کا خوف بڑی تیزی کے ساتھ ان کی اصلاح کرے گا اور وہ احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی چاردیواری سے باہر ہوا خوری میں مصروف ہوں گے وہ انشاء اللہ بڑی سرعت کے ساتھ دوڑتے ہوئے اس چاردیواری میں واپس لوٹنے کی کوشش کریں گے جو امن اور عافیت کا حصار ہے۔ غرضیکہ احمدیت کے ساتھ طاعون کے امتیازی سلوک کا نشان بہرحال قائم رہے گا اور ایک دفعہ پھر فوج در فوج لوگ احمدیت میں داخل ہوں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میرا دل یہی کہتا ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔

مَا شَاءَ اللّٰہُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

Printed by:
Requeem Press
Islamabad (Tilford) U.K.